معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ اسی روپے　　فی شمارہ سات روپے

پاکستان میں سالانہ دو سو روپے

دیگر ممالک میں سالانہ　ہوائی ڈاک　بیس پونڈ　یا　بتیس ڈالر

بحری ڈاک　سات پونڈ　یا　گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ۔　حافظ محمد یحیٰ　شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج، اسٹریچن روڈ، کراچی

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں، بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARULMUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
AZAMGARH

رسالہ ہر ماہ کی ۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینے کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے؛ اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

خط و کتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

کمیشن ۲۵٪ ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہیے۔

جلد ۱۶۰　ماہ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۹۶ء　عدد ۵

فہرست مضامین

شذرات

اب سے پچاس برس پہلے ملک کو آزادی ملی تھی۔ اس سال اس کی گولڈن جبلی منائی جارہی ہے، اس پر اور ملک کی گزشتہ نصف صدی کی تعمیر و ترقی پر فخر و مسرت کا اظہار کیا جارہا ہے۔ ہر طرف سڑکیں بن گئی ہیں، دریاؤں پر پل تعمیر ہوگئے ہیں، آنے جانے کے لیے سواریاں مہیا رہتی ہیں، آمد و رفت کی سہولت سے مہینوں کی مسافت دنوں میں اور دنوں کی گھنٹوں میں طے ہورہی ہے، بجلی کے بلب اور قمقموں سے چھوٹی بستیاں اور جھونپڑے جگمگا رہے ہیں۔ آب پاشی کے لیے نہریں اور ٹیوب ویل ہوگئے ہیں، ڈاک خانے، بینک، اسپتال اور تھانے جگہ جگہ بنتے جارہے ہیں، ٹیلیفون بھی لگتے جارہے ہیں، روزی روزگار کی آسانیوں کی وجہ سے پیشہ ور طبقوں اور محنت و مزدوری کرنے والوں میں خوش حالی آگئی ہے، گاؤں گاؤں میں اسکول قائم ہوگئے ہیں، سکنڈری اور ہائر ایجوکیشن کے ادارے اب بڑے شہروں تک ہی محدود نہیں رہ گئے ہیں، ریاستی حکومتیں اعلان کررہی ہیں کہ وہ کسی بچے کو ناخواندہ نہیں رہنے دیں گی، اب تعلیم پر کسی خاص طبقہ، گروہ، جماعت اور قوم کی اجارہ داری نہیں رہ گئی ہے، یہ ہر شخص کا بنیادی حق سمجھا جاتا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان ترقیوں سے لوگوں کو واقعی پوری طرح فائدہ پہنچ رہا ہے؟ وقت سے ٹیوب ویل کے لیے بجلی مہیا رہتی ہے؟ آپریٹر موجود رہتا ہے؟ ٹکنیکل خرابی کو ٹھیک کرانے میں پاپڑ تو نہیں بیلنے پڑتے ہیں؟ سڑکیں کاغذ پر بنادی جاتی ہیں لیکن عملاً ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا، ان کی مرمت کے لیے کروڑوں روپے کے بجٹ بنتے ہیں لیکن پھر بھی وہ ٹوٹی پھوٹی رہتی ہیں، آئے دن حادثے ہوتے ہیں، ریلوے کے حادثات تو معمول بن گئے ہیں۔ تھانے زیادہ ہوئے مگر جرائم اور بڑھ گئے، پولیس اصل مجرموں سے تعرض کرنے کے بجائے بے گناہوں کو تنگ کرتی اور جھوٹے مقدموں میں پھنساتی ہے۔ ڈاک خانے کی کثرت ہورہی ہے لیکن خطوط دس پندرہ روز سے پہلے

نہیں ملتے اور کتنے تو سرے سے ملتے ہی نہیں، ٹیلیفون آئے دن خراب رہتے ہیں، بڑی دوڑ دھوپ کے بعد اگر ٹھیک بھی ہوئے تو پھر خراب ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ ریل کا کرایہ بڑھتا جارہا ہے لیکن ڈبوں میں روشنی اور پانی اکثر غائب اور ریزرویشن کے باوجود کبھی کبھی بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی۔

تعلیم کی وسعت اور پھیلاؤ کے باوجود اس کا مقصد اس کے سوا اور کوئی نہیں رہ گیا ہے کہ کسی طرح کوئی ملازمت مل جائے تاکہ زندگی اچھے حال میں بسر ہو۔ اساتذہ کو تنخواہ سے غرض، طلبہ کو جیسے تیسے امتحان پاس کرلینے سے مطلب؛ نہ وہ اپنے منصب کے لائق، نہ ان میں کسی طرح کی استعداد و لیاقت، علم کی روشنی پھیلنے کے بجائے جہالت برگ و بار لارہی ہے۔ فکر و خیال میں بلندی، ذہن و دماغ میں تبدیلی اور سیرت و کردار میں پختگی و پاکیزگی نہیں پیدا ہوتی اور نہ اعمال و اخلاق کی اصلاح ہورہی ہے۔ معاشرہ، ملک اور قوم بھی تعلیم کے فائدے سے محروم ہیں، تعلیم گاہیں بے راہ روی شورش، ہنگامہ، انتشار اور خلفشار کا اڈا ہوگئی ہیں۔ طلبہ سماج کی ناہمواری اور ملک کے اخلاقی بحران کا باعث بنے ہوئے ہیں، ہر جگہ ان کی غلط روش اور شورش پسندی نے لوگوں کی ناک میں دم کردیا ہے، قتل، غارت گری اور لوٹ کھسوٹ کے بازار کی گرمی انہی کی وجہ سے ہے۔

یہ گفتگو نامکمل رہے گی اگر اس موقع پر ملک میں بڑھتے ہوئے فرقہ وارانہ جنون اور ذات پات کی لعنت کا ذکر نہ کیا جائے، زمانۂ قدیم سے اہنسا اور عدم تشدد اس ملک کے لوگوں کا دین اور دھرم رہا ہے، یہاں جیو ہتھیا کو سب سے بڑا پاپ خیال کیا جاتا تھا، رواداری اور مفاہمت صلح و امن پسندی اس کی خصوصیت تھی، لیکن اب ظلم و تشدد اس کی سرشت میں داخل ہوگیا ہے، رواداری اور مفاہمت، جارحیت اور سنگ دلی میں تبدیل ہوگئی ہے، ملک میں امن و امان اور صلح و آشتی مفقود ہوگئی ہے، اخوت اور بھائی چارگی، یکجہتی اور اتحاد کا ماحول ختم ہوگیا ہے، ہر وقت زبان، مذہب، نسل، رنگ اور علاقائیت کے جھگڑے کھڑے رہتے ہیں۔ ایک فرقہ و ذات کے لوگ دوسرے فرقہ

ذات کے لوگوں کے خون کے پیاسے ہیں، اس کے مذہب، اس کی زبان، اس کی نسل، اس کی تہذیب، اس کا کلچر اور اس کا تشخص ختم کر دینے پر تلے ہوئے ہیں، دوسرے کی عبادت گاہیں ڈھا کر بے شرمی سے اس پر فخر کیا جا رہا ہے اور کہیں سے اس کے خلاف کوئی موثر آواز نہیں اٹھتی، تفصیل کی ضرورت نہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ پچھلے پچاس برسوں میں کتنی جانیں فرقہ واریت اور ذات پات کی دیوی کو بھینٹ چڑھائی جا چکی ہیں۔

یہ علتیں اور بیماریاں صرف عام لوگوں میں نہیں ہیں بلکہ حکمراں اور سیاست داں بھی حمام میں ننگے ہو گئے ہیں۔ یہ پتہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ ملک کی موجودہ خرابیوں اور ہر طرح کی بدعنوانیوں کا اصل سرا کہاں ہے، پچھلے دنوں حوالوں اور گھوٹالوں میں کیسے کیسے ذمہ داروں کے نام آئے تھے وہ خواہ بری ثابت ہو جائیں لیکن ع تا نہ باشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا۔ ان کو لوٹ کھسوٹ کا چسکا لگ گیا ہے، اقتدار اور عہدے کے لالچ میں یہ ہر طرح کی بے اصولی اور بدعنوانی کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اب ان کی کج روی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ وہ جس پارٹی کے ٹکٹ پر منتخب ہوتے ہیں، چھن بھر میں نہایت بے شرمی اور بے حیائی سے اسے چھوڑ کر دوسروں کے ساتھ ہو جاتے ہیں، ایسے بے ضمیر اور بے کردار لوگوں کو منھ مانگی قیمت دینے کے لیے بے اصول اور بے ضمیر افراد اور پارٹیوں کے خزانے کھلے ہوتے ہیں۔

اس تحریر کا یہ مقصد نہیں کہ گولڈن جبلی نہ منائی جائے یا ہم کو ملک میں ہونے والی ترقی سے بھی انکار ہے، مقصد یہ ہے کہ شر و فساد کا انسداد کیا جائے، ذات پات اور فرقہ وارانہ جنون کے سیلاب پر بند لگایا جائے اور ملک کو اس اخلاقی و روحانی بحران سے نکالا جائے ورنہ ظاہری ترقیوں کے باوجود ملک تباہ ہو جائے گا۔ ہمارے ہم وطن اپنی ذہنیتوں میں، دل و دماغ میں، خیالات و نظریات میں، اعمال و اخلاق میں تبدیلی لائیں، ان کی اصلی ترقی برق و بخارات میں نہیں ہے بلکہ مولانا آزاد کے لفظوں میں "اس معنوی طاقت میں ہے جو قوم کے اخلاق، اس کے کیرکٹر، اس کے اتحاد اور ہماری اصطلاح میں خشیت الٰہی اور اعمال حسنہ سے پیدا ہوتی ہے"۔

مقالات

سیرۃ النبیؐ جلد پنجم کے بعض قرآنی مباحث

از ضیاء الدین اصلاحی

مولانا سید سلیمان ندوی کا علمی ذوق بڑا متنوع اور مطالعہ نہایت وسیع تھا، اسلامی علوم میں انہیں خاص دستگاہ تھی لیکن ان کو سب سے زیادہ شغف و انہماک قرآن مجید سے تھا۔ وہ اس کے بڑے عارف و شیدائی اور متبحر عالم تھے۔ اس کی شہادت بین الاقوامی شہرت کے حامل اور سید صاحب کے عزیز ترین شاگرد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جو خود بھی تفسیر و قرآنیات سے والہانہ شغف رکھتے ہیں، ان لفظوں میں دی ہے:

"عام طور پر لوگ سید صاحب کو مورخ یا ادیب کی حیثیت سے جانتے ہیں، خصوصاً علماء کے قدیم حلقہ میں ان کا تعارف اسی سلسلہ سے ہے، لیکن مجھے سید صاحب کی علمی صحبتوں اور ذاتی استفادہ سے معلوم ہوا کہ ان کا امتیازی مضمون قرآن مجید اور علم کلام ہے، میں نے معاصر علماء میں کسی شخص کا مطالعہ قرآن مجید اور علوم قرآن کا اتنا وسیع اور گہرا نہیں پایا، علم کلام اور عقائد پر سید صاحب کی نظر بہت عمیق و وسیع تھی، ان کو علم کلام کو سلف کے اصول اور کتاب و سنت کی روشنی میں عصر حاضر کے ذہن اور روح کے مطابق پیش کرنے کا خاص ملکہ حاصل تھا اور یہ غالباً مولانا حمید الدین فراہی کی طویل صحبت، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی کتابوں کے مطالعہ اور سیرۃ النبیؐ کی تالیف

کے سلسلے میں طویل غور و فکر کا نتیجہ تھا" (پرانے چراغ حصہ اول ص۵۸)

گو سید صاحب نے عام مفسرین کی طرح قرآن مجید کی کوئی تفسیر نہیں لکھی لیکن انکی اکثر تصنیفات سے قرآنیات سے ان کی خاص مناسبت اور عمیق مطالعہ کا کافی اندازہ ہوتا ہے، خصوصاً سیرۃ النبی جو شبلی و سلیمان کا سب سے مہتم بالشان کارنامہ اور دراصل اسلامی انسائیکلوپیڈیا اور تعلیماتِ محمدیؐ کا لُب لباب ہے۔ اس کے اکثر مسائل و مباحث قرآن مجید ہی سے ماخوذ و مستنبط اور مستفاد ہیں۔

اہلِ نظر جانتے ہیں کہ سیرۃ النبی کی تمام جلدوں کی تالیف میں اصل ماخذ و مرجع قرآن مجید ہی کو بنایا گیا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر اور آپؐ کا وجودِ مبارک اسی کا پرتو اور عملی نمونہ تھا، اس لیے مصنفینِ سیرت نے بحدِ امکان اسی کو آپؐ کی سیرتِ مبارکہ کی تالیف و تدوین کا اصلی و بنیادی ماخذ بنایا ہے، اس میں جس کثرت سے قرآنی آیات سے استشہاد کیا گیا ہے سیرت کی دوسری کتابوں میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے، ہر بحث میں اس سے متعلق قرآنی آیات کا پورا استقصا کیا گیا ہے، جس سے سیرۃ النبی کے مصنفین کے تدبر فی القرآن اور قرآنی علوم میں ژرف نگاہی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اس طرح سیرۃ النبی تفسیر کی کتاب نہ ہوتے ہوئے بھی اس میں قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر و تاویل، اس کے معارف و حقائق کی تلاش و جستجو، اس کے مطالب و مضامین کی توضیح و تلخیص، اس کے اسرار و حکم کی تعلیل و توجیہ، اس کے مشکلات و غوامض کی عقدہ کشائی اس کی مراد و منشا کی تعیین، اس کے مہمات اور اصول و حقائق کی نشاندہی، اس کے لطائف و نکات کی شرح، اس کے اشارات و ابہامات کی تفصیل و تبیین، اس کی تعبیروں اور اصطلاحات

کے مفہوم، اس کے متعلق شکوک و شبہات کا ازالہ، اس کی ادبی لطافتیں، اس کی بلاغت کی خوبیاں، نحو و صرف کے مسائل اور اس کے الفاظ و لغات کی بحث و تحقیق وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔

اس جلد کا موضوع اسلامی عبادات ہے، جن کی سید صاحب نے دو قسمیں بتائی ہیں ایک جسمانی و مالی عبادات یعنی نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ۔ حج اور جہاد۔ دوسری وہ جن کا تمام تر تعلق قلبی احوال اور نفس کی اندرونی کیفیتوں سے ہے جیسے تقویٰ۔ اخلاص۔ توکل۔ صبر اور شکر۔ سیرت کی جلد پنجم انہی عبادات کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے، یہ سب خالص قرآنی موضوعات ہیں جن کی وضاحت تمام تر قرآن مجید کی روشنی میں کی گئی ہے اور اس کی تائید و استشہاد میں روایاتِ صحیحہ اور آثارِ صحابہ نقل کیے گئے ہیں۔ فاضل مصنف نے دیباچہ میں خود تحریر فرمایا ہے:

"ہر موضوع کی تفصیل و تشریح میں مصنفِ اول کے ایما کے مطابق قرآن مجید پر پوری نظر رکھی جاتی ہے، ان کی تدریجی تاریخ پیش نظر رہتی ہے، ان کی مصلحتوں اور حکمتوں سے پردہ اٹھایا جاتا ہے، دوسرے مذہبوں سے مناظرانہ پہلو کو بچا بچا کر مقابلہ و موازنہ کیا جاتا ہے اور ہر ایک بحث کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اسلام نے اس باب میں کیا تعلیم پیش کی ہے اور وہ کیونکر تمام عالم کی اصلاح کے لیے کافی ہے"۔ (جلد پنجم دیباچہ ص۳)

اب آئیے اس جلد پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر قرآن مجید کے بحرِ بیکراں میں سید صاحب کی غواصی و غوطہ زنی کے کچھ نمونے دیکھے جائیں!

سب سے پیشتر یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ اس جلد کے ہر باب یا مبحث کے تحت اصل مضمون شروع کرنے سے پہلے اس کے مناسب کسی آیت کا مختصر مگر جامع اور موضوع کا

احاطہ کرنے والا کوئی شکرہ نقل کرنے کا التزام کیا گیا ہے، مثلاً سب سے پہلا باب "عمل صالح" کے جلی عنوان سے شروع ہوا ہے، اس کے تحت یہ قرآنی الفاظ درج ہیں : اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (ص۲) ۔ عبادات کے جلی عنوان کے تحت یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ تحریر ہے ۔ اسی طرح آگے نماز اور دوسری عبادات کے جلی عنوان کے تحت اس سے متعلق قرآنی فقرے درج کیے گئے ہیں۔

اوپر بتایا جاچکا ہے کہ اس جلد کے اکثر بلکہ تمام مباحث قرآن مجید سے ماخوذ و مستنبط ہیں، اس طرح ہر بحث سے متعلق اکثر آیات کا اس میں استقصا کیا گیا ہے، سید صاحب نے ان آیتوں کی توضیح و تشریح اور ان کا مدعا و لب لباب بیان کرکے ایک طرح سے انکی سادہ اور دلنشین تفسیر کردی ہے، اس سے جہاں قرآن مجید میں ان کے امعان نظر کا پتہ چلتا ہے وہاں اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سیرۃ میں کس طرح قرآن مجید ہی کو اصل ماخذ و مرجع بنایا گیا ہے، اس کی مثالیں اس جلد میں بے شمار ہیں، لیکن ہم اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کے لیے صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس کتاب میں صبر کا باب سورۂ احقاف کی اس آیت سے شروع ہوا ہے فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ پھر صبر کی حقیقت، اس کا مفہوم اور اس کے مختلف اطراف و جوانب اور متعدد گوناگوں پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے، پہلے یہ بتایا ہے کہ صبر کے بارے میں عموماً یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ بے لبسی و بے کسی کی تصویر ہے، جس کے معنی اپنے دشمن سے کسی مجبوری کے سبب سے انتقام نہ لے سکنا ہیں، سید صاحب نے صبر کے لغوی معنی اور قرآن مجید میں اس کے مواقع استعمال بیان کرکے اس کی اس طرح تردید کی ہے کہ صبر کا قرآنی مفہوم پوری طرح واضح ہوجاتا ہے۔

سید صاحب کے نزدیک لغت میں اس کے معنی روکنے اور سہارنے کے ہیں اور یہی صبر کی معنوی حقیقت ہے کہ اپنے نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا اور اس کو اپنی جگہ پر ثابت قدم رکھنا، اس سے اس غلط مفہوم کی تردید کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ "صبر کے معنی پامردی، دل کی مضبوطی، اخلاقی جرأت اور ثبات قدم کے ہیں، اس کے ثبوت میں حضرت موسیٰ و خضر کے واقعہ سے یہ تین آیتیں نقل کرتے ہیں:

خضر حضرت موسیٰ سے کہتے ہیں

۱۔ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (کہف - ۱۸ : ۶۷)	تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکوگے۔
۲۔ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا (کہف-۱۸ : ۶۸)	اور کیسے اس بات پر صبر کرسکتے ہو جس کا علم تمہیں نہیں۔

۳۔ حضرت موسیٰؑ جواب دیتے ہیں:

سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا۔ (کہف ۱۸ : ۶۹)	اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔

سید صاحب کے نزدیک ان آیتوں میں صبر سے مقصود لاعلمی کی حالت میں غیر معمولی واقعات کے پیش آنے سے دل میں اضطراب اور بے چینی کا پیدا نہ ہونا ہے، اس معنی پر دلالت کرنے والی مزید آیتیں نقل کرکے بتاتے ہیں کہ قرآن پاک میں صبر اسی ایک معنی میں مستعمل ہے، گو حالات کے تغیر سے کہیں کہیں اس مفہوم میں ذرا ذرا فرق اور مزید وسعت پیدا ہوگئی ہے تاہم سب کا مرجع ثابت قدمی اور استقامت ہی ہے۔

سید صاحب نے قرآن مجید میں صبر کے مواقع استعمال کا ذکر کرکے اس کے مختلف مفہوم اور صبر کے حسب ذیل اقسام بتائے ہیں:۔

۱۔ ہر قسم کی تکلیف اٹھا کر اور اپنے مقصد پر جمے رہ کر کامیابی کے وقت کا انتظار کرنا۔ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت اور اسلام کی تبلیغ کا آغاز کیا تو عرب کا ذرہ ذرہ آپؐ کی مخالفت میں سرگرم ہوگیا، اس وقت تسلی کا یہ پیام آیا کہ اضطراب اور گھبراہٹ کی ضرورت نہیں، آپؐ مستعدی سے اپنے کام میں لگے رہیں، خدا آپؐ کا نگہبان ہے اس کا فیصلہ اپنے وقت پر آئے گا۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔ (طور ۵۲ : ۴۸)

(اے رسول!) تو اپنے پروردگار کے فیصلے کا ثابت قدم رہ کر منتظر رہ! کیونکہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

اس مفہوم کی متعدد آیتیں نقل کرکے رقم طراز ہیں:

"انتظار کی کشمکش کی حالت میں جب ایک طرف حق کی بے کسی، بے چارگی اور بے بسی پاؤں کو ڈگمگا رہی ہو اور دوسری طرف باطل کی عارضی شورش اور ہنگامی غلبہ دلوں کو کمزور کر رہا ہو، حق پر قائم رہ کر اس کی کامیابی کی پوری امید رکھنی چاہیے، یہ نہ ہو کہ وعدۂ الٰہی کے ظہور میں اگر ذرا دیر ہو تو مشکلات سے گھبرا کر حق کا ساتھ چھوڑ دو اور باطل کے گروہ میں مل جاؤ، حضرت یونسؑ کی طرح اے پیغمبر! جو نافرمان قوم پر عذاب آنے میں تاخیر کی وجہ سے بھاگ کھڑے ہوئے، تمہارے ہاتھ سے صبر کا سررشتہ چھوٹنے نہ پائے"

ان سب امور کے ثبوت میں انہوں نے ان قرآنی آیات کو نقل کیا ہے جن میں صبر کا ذکر ہے۔

۲۔ صبر کا دوسرا مفہوم یہ بتایا ہے کہ مصیبتوں اور مشکلوں میں اضطراب اور بے قراری

نہ ہو بلکہ ان کو خدا کا حکم اور مصلحت سمجھ کر خوشی خوشی جھیلا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ جب وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے خود ان کو دور فرما دے گا۔ چنانچہ ایسے ہی صابروں کی مدح میں کہا گیا ہے:

وَالصَّابِرِيْنَ عَلٰى مَا اَصَابَهُمْ (حج۔ ۲۲ : ۳۵)

اور جو مصیبت میں صبر کریں۔

حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کے بارے میں جھوٹی خبر سن کر فرمایا:

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ (یوسف۔ ۱۲ : ۱۸)

بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے تو بہتر صبر ہے اور خدا سے اس مدد چاہی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

پھر اپنے دوسرے بیٹے کے مصر میں روک لیے جانے کا حال سن کر فرماتے ہیں:

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا (یوسف۔ ۱۲ : ۸۳)

بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لیا ہے تو بہتر صبر ہے، عنقریب خدا ان سب کو ساتھ لائے گا۔

حضرت اسماعیلؑ و حضرت ایوبؑ کے غیر معمولی صبر سے متعلق آیتیں نقل کرکے بھی اپنا مدعا ثابت کیا ہے۔

۳۔ تیسرا مفہوم یہ ہے کہ منزلِ مقصود کی راہ میں جو مشکلیں اور خطرے پیش آئیں دشمن جو تکلیفیں پہنچائیں اور مخالفین جو طعن و طنز کریں ان میں سے کسی چیز کو خاطر میں نہ لایا جائے اور ان سے بددل اور پست ہمت ہونے کے بجائے اور زیادہ استقلال

اور استواری پیدا ہو۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسری وحی میں تبلیغ و دعوت کے حکم کے ساتھ اس حقیقت سے بھی باخبر کر دیا گیا:۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ	اے چادر پوش اٹھ اور لوگوں کو
... وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۔	ہشیار کر ... اور اپنے پروردگار کے
(مدثر - ۷۴: ۱-۲ و ۷)	لیے پامردی (صبر) کر!

اس قسم کے مواقع اکثر انبیاءؑ کو پیش آئے، آپؐ کو نبوت کی اس اعلا مثال کی پیروی کا حکم ہوا۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ	(اے محمدؐ!) تو بھی اسی طرح پامردی کر
مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ	جس طرح پختہ ارادہ والے پیغمبروں
(احقاف - ۴۶: ۳۵)	نے کی اور ان (مخالفوں) کے لیے جلدی نہ کر۔

اس مفہوم کی توضیح کے لیے مزید آیتیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

۴- چوتھا مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ برائی کرنے والوں کی برائی کو نظر انداز، بدخواہوں اور تکلیفیں دینے والوں کے قصور کو معاف کیا جائے، یعنی تحمل اور برداشت میں اخلاقی پامردی دکھائی جائے، اس مفہوم کی آیتیں متعدد ہیں، ایک ملاحظہ ہو:۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ	اور اگر تم سزا دو تو اسی قدر جس قدر
مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ	تم کو تکلیف دی گئی اور البتہ اگر صبر
لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ وَاصْبِرْ	(برداشت) کرو تو صبر کرنے والوں
وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ	کے لیے یہ بہتر ہے اور تو صبر کر اور
عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا	تیرا صبر کرنا نہیں لیکن خدا کی مدد سے،

يَمْكُرُونَ (نحل - ۱۶: ۱۲۶ و ۱۲۷)	اور ان کا غم نہ کر اور نہ ان کی سازشوں
	سے دل تنگ ہو۔

سید صاحب نے صبر کی اس قسم کو اخلاقی حیثیت سے بہت بڑی بہادری بتایا ہے، جس کی مسلمانوں کو بار بار تعلیم دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ صبر و برداشت کمزوری یا دشمن کے خوف یا کسی اور سبب سے نہ ہو بلکہ صرف خدا کے لیے ہو، اس کی تائید میں صبر کے مفہوم پر مشتمل مزید آیتیں تحریر فرمائی ہیں۔

۵- صبر کا پانچواں مفہوم لڑائی کی صورت میں میدان جنگ میں بہادرانہ استقامت اور ثابت قدمی ہے اور اس وصف سے متصف لوگوں کو صادق القول، راست باز اور خدا کے وعدہ کو پورا کرنے والا بتایا ہے، فرمایا:

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ	اور صبر کرنے والے (ثابت قدمی دکھانے
وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا	والے) مصیبت میں اور نقصان میں
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔	اور لڑائی کے وقت۔ وہی ہیں جو
(بقرہ - ۲: ۱۷۷)	سچ بولے اور وہی پرہیزگار ہیں۔

اس مفہوم کی اور بھی آیتیں نقل کر کے ان کی مناسب، موثر اور دل نشیں وضاحت فرمائی ہے۔

۶- چھٹا مفہوم ضبط نفس ہے یعنی بڑی کامیابی و ناکامی کے وقت نفس پر قابو رکھنا اور ضبط سے کام لینا مشکل ہوتا ہے، مگر اسی سے سنجیدگی، متانت وقار اور کیرکٹر کی مضبوطی پیدا ہوتی ہے، دنیا میں غم و مسرت اور رنج و راحت توأم ہیں، ان دونوں موقعوں پر انسان کو ضبط نفس اور اپنے آپ پر قابو کی ضرورت ہے، تاکہ مسرت اور

خوشی کے نشہ میں فخر و غرور پیدا نہ ہو اور غم و تکلیف میں وہ اداس اور بددل نہ ہو، ان دونوں عیوب کا علاج صبر و ثبات اور ضبط نفس ہے، فرمایا :-

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ۔ (ہود - ۱۱ : ۹-۱۱)	اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے کسی مہربانی کا مزہ چکھائیں، پھر اس سے اس کو اتار لیں تو وہ نا امید اور ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی مصیبت کے بعد اس کو نعمت کا مزہ چکھائیں تو کہتا ہے کہ برائیاں مجھ سے دور ہو گئیں بے شک وہ شاداں اور نازاں ہے لیکن وہ جنھوں نے صبر (یعنی نفس پر قابو) رکھا اور اچھے کام کیے، یہ لوگ ہیں جن کے لیے معافی اور بڑا انعام ہے۔

۷- صبر کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کسی فرض کو عمر بھر پورے استقلال اور مضبوطی سے ادا کرنا- جو ہنگامی واقعات اور وقتی مشکلات پر صبر و پامردی سے بڑھ کر ہے، مثلاً مذہبی فرائض و احکام کو جو بہرحال نفس پر سخت گزرتے ہیں، عمر بھر پوری مضبوطی سے ادا کرتے رہنا بھی صبر ہے، بہرحال اور ہر کام میں خدا کے حکم کی فرماں برداری اور عبودیت پر ثباتِ نفس انسانی کا سب سے بڑا امتحان ہے، اسی لیے حکم ہوا :

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ	آسمانوں کا پروردگار اور زمین کا، اور جو ان دونوں کے بیچ میں ہے،

لِعِبَادَتِهٖ - (مریم ۱۹ : ۶۵)	سب کا، تو اسی کی بندگی پر ٹھہرا رہ (صبر کر)

ایک اور آیت میں تمام عمر نماز کا فریضہ ادا کرنے اور اپنے اہل و عیال کو بھی اسکی تاکید رکھنے کے سلسلے میں ہے :

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طٰہٰ ۲۰ : ۱۳۲)	اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور آپ اس پر قائم رہ!

اختصار کے خیال سے صبر اور اس کے مختلف مفاہیم کی توضیح کے لیے جو متعدد آیتیں نقل کی گئی ہیں انہیں یہاں پیش نہیں کیا جا سکا، اس کے بعد اسی سلسلۂ بیان میں مصنف نے یہ دو عنوان قائم کیے ہیں :

(۱) صبر کے فضائل اور انعامات (۲) فتح مشکلات کی کنجی صبر اور دعا۔

اور ان دونوں کی وضاحت تمامتر قرآنی آیات سے کی ہے۔

قرآن مجید سے اوقاتِ نماز کی تعیین

سید صاحب نے اوقات نماز پر اس لیے نہایت طویل اور مبسوط بحث کی ہے کہ بعض مستشرقین نے دانستہ یا نادانستہ طور پر اوقاتِ نماز میں غلط فہمی پھیلانی چاہی ہے، سید صاحب اوقاتِ نماز کی تعیین کو اسلام کا تکمیلی کارنامہ قرار دیتے ہیں، انہوں نے اس کی ضرورت و حکمت بھی بیان کی ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ عبادت اور نماز کے اوقات دوسرے مذہبوں میں بھی ان کے اصولوں اور نظریوں کے مطابق مقرر ہیں۔ اسلام نے نماز کے لیے مناسب فطری اوقات کا تعین کیا ہے اور انسان کی فطری و نوعی ضرورتوں کے لحاظ سے روزانہ کے مختلف انسانی مشاغل کے سر آغاز پر ایک وقت کی نماز رکھی ہے تاکہ پورے اوقات خدا کی یاد ہی میں محسوب ہوں (سیرۃ النبی جلد پنجم ص۱۱۳)

یہ نکتہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آفتاب پرست قومیں آفتاب کے نمودار اور غروب ہونے کے وقت سجدہ کرتی ہیں، اس کے برعکس ملتِ ابراہیمی میں آفتاب کے زوال و غروب کے بعد نماز پڑھی جاتی ہے، یہ ساری بحثیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شریعت کے اسرار و حکم پر ان کی کیسی گہری نظر تھی، لیکن ہم ان کو قلم انداز کرکے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ حضرت سید صاحب نے قرآن مجید سے نماز کے اوقات کس طرح متعین اور ثابت کیے ہیں،

نماز کے اوقات کے مخصوص و متعین ہونے کا پتہ اس آیت سے چلتا ہے :

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (نساء - ۴ : ۱۰۳) بے شبہ نماز مسلمانوں پر مقررہ اوقات میں فرض ہے۔

سب سے پہلے وہ یہ اصولی اور تمہیدی بات ذہن نشین کراتے ہیں کہ ادائے نماز کے لیے قرآن مجید میں زیادہ تر تین لفظ استعمال ہوئے ہیں، صلوٰۃ یا اقامتِ صلوٰۃ، تسبیح اور ذکر اللہ، اقامتِ صلوٰۃ کے لفظ کو وہ نماز ہی کے لیے مخصوص بتاتے ہیں، لیکن دوسرے اور تیسرے لفظ کو عام مانتے ہیں کیونکہ وہ نماز کے علاوہ تسبیح و تحمید اور یادِ الٰہی کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں، ان کا اطلاق نماز پر اس لیے ہوتا ہے کہ نماز کا جزوِ اعظم تسبیح و تحمید ہے۔ احادیث میں بھی تسبیح نماز پڑھنے کے معنی میں آیا ہے، اشعارِ عرب اور لغتِ عرب سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جب تسبیح کے ساتھ وقت کی تخصیص ہوگی تو اس سے نماز کے علاوہ اور کوئی چیز مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ وقتِ مخصوص کے ساتھ اسلام میں نماز کے علاوہ کوئی عام تسبیح فرض نہیں ہے۔ اوقات کی تخصیص کے بغیر قرآن مجید نے جہاں تسبیح کا حکم دیا ہے، اس سے خدا کی عام یاد و توصیف مراد ہوسکتی ہے۔

اس اصولی حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے بعد انہوں نے قرآن مجید کے سولہ[16] مقامات

کی آیتیں نقل کی ہیں، جن میں نماز یا ذکر، تسبیح اور قیام کے الفاظ آئے ہیں، طوالت کے خوف سے ہم اصل آیتیں نقل کرنے کے بجائے صرف سورتوں کے نام ان کے اور آیات کے نمبر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں :۔

مزمل (۷۳ : ۲ و ۳) مومن (۴۰ : ۵۵) احزاب (۳۳ : ۴۲) فتح (۴۸ : ۹) اعراف (۷ : ۲۰۵) انعام (۶ : ۵۲) نور (۲۴ : ۳۶ و ۳۷ و ۵۸) کہف (۱۸ : ۲۸) طور (۵۲ : ۴۸ و ۴۹) ہود (۱۱ : ۱۱۴) بنی اسرائیل (۱۷ : ۷۸ و ۷۹) دہر (۷۶ : ۲۵ و ۲۶) طٰہٰ (۲۰ : ۱۳۰) روم (۳۰ : ۱۷ و ۱۸) قٓ (۵۰ : ۳۹-۴۱) (سیرۃ النبی جلد پنجم ص ۱۳۲)

سید صاحب فرماتے ہیں کہ ان آیتوں میں نماز کے مختلف اوقات کا ذکر مکرر ہے، سب کو ملانے سے پانچ وقتوں فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشا ہو جاتے ہیں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر نماز ادا فرماتے رہے اور یہ مسلسل تواتر سے بھی ثابت ہے۔

غدو - غداۃ - بکرہ - فجر قبل طلوع الشمس اور حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ کے معنی صبح کی نماز۔

اصیل - عشی اور قبل غروب الشمس سے مراد عصر۔

دلوک الشمس (زوال) اور حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ (جب دوپہر کرو) سے مقصد ظہر۔

طرف النہار (دن کا کنارہ) اور تُمْسُوْنَ (جب شام کرو) سے مراد مغرب۔

مِنْ آنَاءِ اللَّیْلِ (کچھ رات گزرے) غَسَقِ اللَّیْلِ (رات کی ابتدائی) تاریکی اور صلوٰۃ العشاء سے عشاء کی نماز ہے۔

یہی نماز کے پانچ اوقات ہیں جن میں خدا کی یاد اور تسبیح و تحمید کا حکم ہم کو دیا گیا ہے۔

(سیرۃ النبی جلد ۵ ص ۱۲۳)

یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ اوقات نماز کی تکمیل تدریجاً ہوئی ہے، اسلام کا آغاز غربت، مظلومی اور بے سر و سامانی کے ساتھ ہوا، اس لیے شروع میں دن کے وقت کوئی نماز نہ تھی، لوگ صرف رات کو چھپ چھپا کر دیر تک نماز پڑھا کرتے تھے، اس کا ثبوت یہ آیتیں ہیں:۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا

(مزمل ۷۳: ۱-۷)

اے کملی اوڑھ کر سونے والے تھوڑی دیر کے علاوہ ساری رات اٹھ کر نماز پڑھا کر! آدھی رات تک یا اس سے کچھ کم یا اس سے (کچھ) زیادہ اور اس میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ! ہم تجھ پر عنقریب ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں یعنی (شریعت کے مفصل احکام اتارنے والے ہیں) بے شک رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے میں طمانیت قلب کا زیادہ موقع ہے اور قرآن سمجھ کر پڑھنے کے لیے زیادہ مناسب ہے، بے شک تجھ کو دن کے وقت آرام کی فرصت حاصل ہے۔

شروع کے تین برسوں میں جب تک اسلام کی دعوت برملا نہیں دی جاسکتی تھی یہی حکم رہا، جب نسبتاً اطمینان حاصل ہوا اور دعوت کے اظہار کا وقت آیا تو رفتہ رفتہ اسلام کا قدم تکمیل کی طرف بڑھا اور رات کی طویل نماز تہجد کے علاوہ عشا اور فجر کی نمازوں کا اضافہ ہوا:۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ

(طور ۵۲: ۴۸ و ۴۹)

اور اپنے رب کے فیصلہ کا انتظار کھینچ، بے شک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور اپنے رب کی تسبیح کر جب تو نماز کو کھڑا ہو اور کچھ رات کے حصہ میں اس کی تسبیح کر اور ستاروں کے پیٹھ پھیرتے وقت۔

سورۂ طور مکہ میں نازل ہوئی، اس وقت قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا شروع کر دیا تھا، کیونکہ اس سورہ میں اسی آیت سے پہلے آپ کے مصائب اور ان پر صبر کرنے اور فیصلہ الٰہی کا حکم اور آپ کی ہر قسم کی حفاظت کی خوش خبری ہے، سورۂ دہر بھی جمہور کے نزدیک مکی ہے اور غالباً سورۂ طور کے بعد اتری جس میں ان اوقات کے علاوہ دن کے خاتمہ کے قریب کی ایک نماز جس کو عصر کہیے بڑھتی ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا۔

(دہر ۷۶: ۲۴-۲۶)

تو اپنے پروردگار کے فیصلے کا انتظار کر اور ان مخالفوں میں کسی گنہگار یا اللہ کے ناشکرگزار کا کہنا نہ مان، اور صبح کو اور تیسرے پہر کو اپنے پروردگار کا نام لیا کر اور کچھ رات گئے اس کو سجدہ کر، اور رات کو دیر تک اس کی تسبیح کیا کر!

سید صاحب کے نزدیک اس میں رات کی دیر تک کی نماز تہجد کے علاوہ تین وقتوں

کی تصریح ہے یعنی صبح، اخیر دن اور ابتدائی شب؛ مگر ابھی اصیل میں ظہر و عصر اور من اللیل (رات) میں مغرب اور عشا کی تفریق نہیں ہوئی تھی، کیونکہ کل تین نمازیں تھیں، ایک فجر کے وقت، ایک سہ پہر کو اور ایک رات کو۔ اسی لیے باقی دو نمازوں کی جگہ رات کو دیر تک نماز پڑھنے کا حکم تھا، سید صاحب کے نزدیک ان تین وقتوں کی تسبیح و تحمید کے باقاعدہ نماز کا قالب اختیار کرنے کا حکم اس آیت سے ہوتا ہے:۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ۔

(ھود - ۱۱: ۱۱۴)

اور دن کے دونوں کناروں میں (یعنی فجر اور عصر) اور رات کے ایک ٹکڑے میں نماز پڑھا کر۔

سورۂ ہود بھی مکی ہے اور سید صاحب کے خیال میں غالباً اوقاتِ نماز کے سلسلے میں یہ پہلی آیت ہے جس میں تسبیح کے بجائے باقاعدہ "صلوٰۃ" کی اقامت کا حکم آیا ہے۔ اس کے بعد وہ سورۂ ق کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ۔

(ق - ۵۰: ۳۹ و ۴۰)

پس ان (مخالفوں) کے کہنے پر (اے رسول) صبر کر اور آفتاب[1] کے نکلنے سے پہلے (صبح) اور اس[2] کے ڈوبنے سے پہلے (عصر) اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کر اور کچھ[3] رات گئے (عشا) پر اس کی تسبیح کر اور (آفتاب کے) سجدہ کرنے کے بعد (غروب کے بعد یعنی مغرب کے وقت اس کی تسبیح کر)

اس آیت کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ رات کی نماز کا ابہام دور کرکے مغرب اور عشا کی تعیین کر دی گئی، ایک کی نسبت وَمِنَ الَّیْلِ (کچھ رات گئے) اور دوسری کی نسبت وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ (آفتاب ڈوبنے پر) کہا گیا۔ زوال کے بعد سے غروب تک کی نماز (جس کو پہلے اَصِیْل اور پھر طَرَفَیِ النَّھَارِ (دن کے دونوں کناروں میں) اور یہاں قبل غروب کی نماز کہا گیا ہے۔ اب بھی تفصیل طلب ہے، جس کے اندر ظہر و عصر دونوں نمازیں داخل ہیں۔ چنانچہ سورۂ روم میں جو مکہ میں نازل ہوئی ہے، اس کی تفصیل کی گئی ہے:۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ

(روم - ۳۰: ۱۷ و ۱۸)

اللہ کی تسبیح کرو جب شام (یا رات) کرو اور جب صبح کرو اور اس کی حمد آسمانوں اور زمین میں ہے اور اخیر دن کو اس کی تسبیح کرو اور جب ظہر کرو۔

اس آیت کے متعلق بتاتے ہیں کہ اس میں زوال کے بعد (ظہر) اور غروب سے قبل (عصر) کی مبہم نمازوں کی توضیح کی گئی ہے، ایک کو عشی (عصر) اور دوسری کو ظہر کہا گیا ہے۔

ان تمام آیتوں پر مفصل بحث کرنے کے بعد ان کا ماحصل یہ بتایا گیا ہے کہ نماز فجر کا ذکر بالتصریح طٰہٰ، طور، دھر، ھود، ق، روم، اور نور میں ہے۔ ظہر کا بالاجمال تذکرہ دھر، ق، طٰہٰ، اور اسراء میں اور بالتصریح اسراء و روم میں، عصر کا بقرہ، دھر، ھود، طٰہٰ، ق اور روم میں، مغرب کا بالاجمال ھود، طٰہٰ اور روم میں اور بالتصریح ق میں ہے، عشا کا بصورت صلوٰۃ اللیل مزمل، طور اور دھر میں اور بصورتِ عشا بالاجمال طٰہٰ، ھود، اور روم میں اور بالتصریح ق اور ھود میں ہے۔

تمام نمازوں کا بالاجمال تذکرہ بقرہ، اسراء اور طٰہٰ میں ہے، طور سے فجر اور

عشا دو وقتوں کی نماز۔ اسراء، ھود اور طٰہٰ سے کم از کم بظاہر تین وقتوں کی۔ روم سے چار وقتوں کی (اگر مسا سے صرف مغرب مراد لیں) اور طٰہٰ و روم سے پانچ وقتوں کی نماز ثابت ہے۔

وہ محدثین و مورخین کے اس اتفاق عام کا ذکر کرتے ہیں کہ نماز کے اوقات پنج گانہ کی تعیین معراج میں ہوئی اور معراج سید صاحب کی تحقیق میں بعثت کے بارہویں سال اور ہجرت سے ایک سال پہلے واقع ہوئی تھی، ان کے نزدیک اوقات پنج گانہ کا ذکر سورۂ ق و روم میں بھی موجود ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی، لیکن اقامت صلوٰۃ کے امر کے ساتھ سب سے پہلے سورۂ اسرا (معراج) کی اس آیت میں ہوا ہے:۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ	آفتاب کے جھکاؤ کے وقت رات کی
اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ اِنَّ	تاریکی تک نماز کھڑی کر اور فجر کی
قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا	قرأت قائم کر۔ بے شک فجر کی قرأت
(اسرا - ۱۷ : ۷۸)	میں حضور ہوتا ہے۔

لغت اور کلام عرب کے استعمال سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ دلوک کا اطلاق تین اوقات یا آفتاب کی تین حالتوں پر ہوتا ہے۔ زوال پر، مقابل نقطۂ نگاہ سے آفتاب کے ہٹ جانے پر اور غروب پر۔ آفتاب کے دلوک (جھکاؤ) پر نماز پڑھو کا مطلب یہ ہوا کہ ان تینوں دلوکات یعنی آفتاب کے تینوں جھکاؤ پر ایک ایک نماز لازم آئی، مقصد یہ ہے کہ آفتاب ڈھلنا شروع ہوتا ہے تو اس کے تین دلوک یا جھکاؤ ہوتے ہیں، ایک نقطہ سمت الراس سے دوسرا نقطۂ تقابل سے اور تیسرا دائرۂ افق سے۔ پہلا ظہر کا وقت ہے دوسرا عصر کا اور تیسرا مغرب کا، چوتھی نماز کا وقت غسق الیل (رات کی تاریکی) ہے۔ جو عشا کی نماز ہے اور

پانچویں وقت کا "قرآن الفجر" (صبح کا پڑھنا) بتایا گیا ہے یعنی فجر کا۔

غرض اس آیت میں اقامت صلوٰۃ سے سید صاحب کے نزدیک اوقات پنج گانہ مراد ہیں، ان میں نماز پڑھنے کی جو حکمت و مصلحت بھی بیان کی گئی ہے، اس کا لب لباب باطل پرستی اور آفتاب پرستی سے تبری ہے۔

سورۂ اسرا کی طرح انہوں نے سورۂ طٰہٰ کی مندرجۂ ذیل آیت سے بھی اوقات پنجگانہ کو ثابت کیا ہے:۔

وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ	اور اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح پڑھ
وَقَبۡلَ غُرُوۡبِہَا وَمِنۡ اٰنَآیِٔ الَّیۡلِ	آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس (آفتاب)
فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّہَارِ	کے ڈوبنے سے پہلے اور رات کے کچھ
(طٰہٰ - ۲۰ : ۱۳۰)	وقت میں اور تسبیح پڑھ اور دن کے
	کناروں میں۔

آفتاب نکلنے سے پہلے فجر، ڈوبنے سے پہلے عصر، رات کے کچھ وقت سے عشا اور دن کے کناروں میں ظہر اور مغرب ہے، انہوں نے اطراف النہار سے ظہر و مغرب مراد لیے جانے کو بہ تحقیق ثابت کیا ہے،

سید صاحب نے اوقات پنجگانہ پر اس طرح بھی استدلال کیا ہے۔

۱۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ	زوال آفتاب کے وقت نماز کھڑی کر!
(اسرا - ۱۷ : ۷۸)	

یہ ظہر کی نماز ہوئی۔

۲۔ وَقَبۡلَ الۡغُرُوۡبِ (ق - ۵۰ : ۳۹)	اور غروب آفتاب سے پہلے خدا کی تسبیح کر!

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلاً (دہر ۷۶: ۲۵) اور اپنے پروردگار کا نام یاد کر صبح کو اور عصر کو۔

یہ عصر کی نماز ہوئی جس کو سورۂ بقرہ میں وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی (۲: ۲۳۸) بیچ کی نماز اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ دن کی نمازوں میں ظہر اور مغرب کے بیچ میں واقع ہے۔

۳۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ (ہود - ۱۱- ۱۱۴) اور دن کے دونوں (ابتدائی اور انتہائی) کناروں میں نماز کھڑی کر!

دن کا ابتدائی کنارہ صبح اور انتہائی کنارہ مغرب ہے۔

۴۔ سورۂ نور میں ہے کہ صبح کی نماز سے پہلے بے پکارے زنانہ کمرہ یا مکان میں نہ جایا کرو۔

مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ (نور ۲۴: ۵۸) صبح کی نماز سے پہلے۔

۵۔ پھر اسی سورہ میں اسی موقع پر ہے۔

وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ (نور - ۲۴- ۵۸) اور عشا کی نماز کے بعد۔

یہ نماز عشا کا عملی ثبوت ہے۔

احادیث وسنن نبوی سے بھی اوقات نماز کو ثابت کرنے کے بعد آخر میں یہ بتایا ہے کہ نماز پنجگانہ کی تکمیل کے بعد صلوٰۃ اللیل (تہجد کی نماز) جو پہلے فرض تھی، عام امت کے لیے نفل ہوگئی، ارشاد ربانی ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا

نماز کو آفتاب کے جھکاؤ کے بعد کھڑی کر (ظہر، عصر، مغرب، رات کی تاریکی تک اور صبح کی قرأت قائم کر، بے شک

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (اسرا- ۱۷: ۷۸، ۷۹)

صبح کی قرأت میں حضور ہوتا ہے اور رات کے حصہ میں تو اٹھ کر (اوقات مقررہ سے) زیادہ نماز پڑھ، شاید کہ تجھ کو تیرا رب قابل تعریف مقام میں اٹھائے۔

اوپر اس کا ذکر آیا تھا کہ پانچ نمازوں کے اوقات کی تعیین اسرا (معراج) میں ہوئی، اسرا کا ذکر سیرت کے تیسرے حصہ میں ہے، وہاں بھی سید صاحب نے اوقات کی تعیین پر لطیف و عمدہ بحث کی ہے اور حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "یہ نکتہ مخدومی مولانا حمید الدین صاحب مصنف تفسیر نظام القرآن کا افادہ ہے"۔ اس موقع پر اس کو بھی تتمہ بحث کے طور پر نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

زیر بحث وہی سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۷۸، ۷۹، اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ الخ ہیں، فرماتے ہیں لفظ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (آفتاب کے ڈھلنے کے وقت) میں نماز ظہر، عصر اور مغرب کے تین اوقات کی تعیین کی طرف لطیف اشارہ ہے، وہ دین محمدی کو ملت ابراہیمی کا نقش ثانی بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں آفتاب پرستی اور ستارہ پرستی عام تھی جس کی رسم کہن دنیا میں آج بھی قائم ہے، اس مذہب میں آفتاب کی پرستش کے وہ اوقات تھے جن میں اسکی روشنی کا ظہور یا کمال ہوتا ہے اسی لیے طلوع سے لیکر نصف النہار تک اسکی پرستش کی جاتی ہے، ملت ابراہیمی نے اسکے برخلاف اپنے لیے وہ اوقات متعین کیے جو آفتاب کے زوال کے ہیں یعنی سورج ڈھلنے سے لیکر آفتاب کے غروب تک کہ یہ تمام اوقات اسکے انحطاط نور اور زوال کے ہیں، آفتاب کے انحطاط اور زوال کی تین منزلیں ہیں، ایک وہ جب سمت راس (سر) سے وہ ڈھلتا ہے یہ ظہر کا وقت ہے اور دوسری منزل وہ ہے جب وہ برابر کی نگاہ سے نیچے اترتا ہے یہ عصر کا وقت ہے اور تیسری منزل وہ ہے جب وہ سمت افق سے نیچے گر جاتا ہے اور یہ مغرب کا وقت ہے چوتھی نماز کا وقت رات کی تاریکی کا مقرر کیا ہے، جب آفتاب کے بقیہ وجود کی سرخ نشانی جس کو عرف عام میں شفق کہتے ہیں وہ بھی مٹ جاتی ہے اور صبح کی نماز وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ یعنی ستاروں کی روشنی کے ماند ہونے کے بعد ہے۔

(باقی)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے مُعالج

بائبل کی دو بشارتوں کی روشنی میں

از مولانا حبیب ریحان خان ندوی، بھوپال

(۲)

حضور پاکؐ کی پیشینگوئیاں حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشینگوئی کا یہ جملہ " وہ آئندہ کے متعلق خبریں دے گا " مبنی بر حقیقت جملہ ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم بے شمار آنے والے واقعات کی اطلاع قرآن پاک کے ذریعہ دی اور بہت سی باتیں اس حکمت و وحی کے ذریعے بتائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو " وحی غیر متلو " کی شکل میں دی تھی اور جسے سنت یا حدیث کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ پیشینگوئیاں قرآن کے علاوہ، حدیث پاک کی کتابوں، سیر و سیرت کے دفتروں اور اعلام نبوت یا دلائلِ نبوت جیسی تصنیفات میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ بعض موضوع اور ضعیف و بے اصل باتیں بھی اس میں موجود ہیں، لیکن ان میں صحیح چیزوں کو تلاش کرنے کا کام محدثین اور علمائے امت نے کیا ہے اور اس رو سے صحیح و مستند پیشینگوئیاں بھی اتنی زیادہ ہیں اور ان کی تشریح و توضیح اتنی طویل ہے کہ پوری ایک ضخیم کتاب بھی ان کے لیے ناکافی ہے، راقم یہاں صرف پانچ پیشینگوئیوں کی کچھ تفصیل بیان کرے گا اور دوسری متعدد پیشینگوئیوں کی طرف صرف اشارہ کرے گا۔

جلدی نہ کرو نشانیاں آنے والی ہیں

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ
يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَھٰذَا
الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ
بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ خُلِقَ
الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ سَاُورِيْكُمْ
اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ؀
(الانبیاء - ۳۶ و ۳۷)

یہ منکرین حق جب تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہارا
مذاق بنا لیتے ہیں، کہتے ہیں کیا یہی وہ شخص
ہے جو تمہارے خداؤں کا ذکر کیا کرتا ہے،
اور انسانوں کا حال یہ ہے کہ رحمٰن کے ذکر
سے منکر ہیں، انسان جلد باز مخلوق ہے،
ابھی میں تم کو اپنی نشانیاں دکھائے دیتا
ہوں، جلدی نہ مچاؤ۔

اس کے بعد والی آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نشانیاں قیامت کے دن ظاہر ہوں گی اور جہنم کی آگ سے وہ بچ نہ سکیں گے اور حق یہ ہے کہ یہ وعدۂ حق اور پیشینگوئی پوری ہو کر رہے گی۔ یا دوسری تفسیر یہ بھی ہے کہ جب رسولِ پاکؐ دین کے نشر ہونے اور اپنے اصحاب کے غالب ہونے کا ذکر کرتے تھے تو مشرکین و مخالفین اسے جھٹلاتے تھے اور یہ کہتے تھے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا تو خدا نے اس کے جواب میں فرمایا کہ غلبۂ دینی اور نصرت رسولؐ کی نشانی تم عنقریب اس دنیا میں دیکھ لوگے، سورۂ انبیاء ہی کی آیت نمبر ۴۱ اس کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انبیاء و رسل کے ساتھ استہزا کرنے والوں پر مصیبت آجاتی ہے، یہ ذہن میں رہے کہ یہ آیات مکیہ ہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ
فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا
بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (انبیاء: ۴۱)

تم سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑانے
والے اسی چیز کے پھیرے میں آگئے جس کا
وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اور اس طرح ان استہزا کرنے والوں کو دنیا میں بھی دردناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔

اپنی نشانیاں آفاق و انفس میں دکھا دیں گے سورۂ حم السجدہ میں جو مکی سورت ہے اس میں خدا نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا کہ ان مشرکین سے کہدو:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۔

(حم سجدہ: ۵۲-۵۳)

کہو ان سے کیا تم نے کبھی غور کیا کہ اگر یہ (قرآن) خدا ہی کی طرف سے ہے اور تم اس کا انکار کرتے رہے تو اس شخص سے بڑھ کر بھٹکا ہوا انسان اور کون ہوگا جو اس کی مخالفت میں دور تک نکل گیا ہو عنقریب ان کو ہم اپنی نشانیاں دنیا میں دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہانتک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ واقعی یہ حق ہے۔

ایک واضح معنی تو یہ ہیں کہ قرآن پاک اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور ہم تم کو آفاق وکائنات اور تمہارے نفوس میں ایسی نشانیاں دکھا دیں گے کہ تم کو اس کی حقانیت کا یقین ہوجائے گا اور اس طرح ہر علمی، سائنسی اور طبی حقیقت ایک نشانی بن کر سامنے آتی رہتی ہے لیکن غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے اور تفسیروں میں اس کو واضح بھی کیا گیا ہے کہ جب حقانیتِ قرآن اور اسلام کی دعوت آپؐ نے مکہ میں دی اور آپؐ شدت اور تنگی کے عالم میں تھے، دشمنوں کے نرغے میں تھے اس وقت غیب کی یہ بات انہیں بتائی کہ اسلام آفاق پر چھا جائے گا اور تمہارے دل بھی اس کے قائل ہو جائیں گے اور تم ایمان لے آؤ گے

اس سے بڑھ کر نصرتِ الٰہی پر یقین اور وعدۂ خداوندی پر اعتماد کیا ہو سکتا ہے اور چند گنے چنے کفار کو چھوڑ کر تمام اہل مکہ و اہل جزیرۂ عرب آپؐ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے اور خلفائے اسلام کے زمانہ میں اسلام روئے زمین پر پھیل گیا اور قیامت تک آنے والی نسلیں آیاتِ قرآنی و آیات انفس و آفاق سے برابر اسلام میں داخل ہوتی چلی جائیں گی۔

استہزا کرنے والوں کا انجام ارشاد خداوندی ہے:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ

(الحجر: ۹۴-۹۵)

اے نبی جس بات کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اسے کھل کر کہہ دو اور مشرکین سے بے پروا ہو جاؤ، تمہاری طرف سے مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کو ہم کافی ہیں جو اللہ کے سوا کسی اور کو بھی خدا بناتے ہیں عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔

جہری دعوت کی ابتدا کے ایام میں اہل مکہ کی طرف سے خاص طور پر ولید بن المغیرہ المخزومی، عاص بن وائل السہمی، الاسود بن عبد المطلب الاسدی، اسود بن عبد یغوث الزہری حارث بن طلیطلہ وغیرہ نے محفلوں، بازاروں اور ہر ہر جگہ آپؐ کا مذاق اڑایا، لوگوں کو آپؐ کی باتیں سننے سے منع کیا، اہل مکہ کا وہاں اقتدار تھا، ان کی حکومت تھی وہ طاقتور تھے اور حضور پاکؐ کی حالت نازک تھی، دشمنوں کے نرغے میں آپ گھرے ہوئے تھے کوئی یار و مددگار نہیں تھا، اس نازک وقت میں حکم ہوتا ہے کہ جس وحی اور اسلامی تعلیم اور توحید کا حکم دیا گیا ہے اسے واضح طور پر بلا جھجک ہانک پکار کر پہنچا دو اور مشرکوں کے اعراض و استہزاء

کی مطلق پرواہ نہ کرو، ہم تمہاری طرف سے استہزاء اور ٹھٹھا کرنے والوں کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہیں۔ تاریخ جانتی ہے کہ ولید پیر میں زخم لگنے سے ہلاک ہوا، اسود بن عبدالمطلب اس بددعا کا شکار ہوا "اے اللہ اس کو اندھا کر دے اور اولاد کی موت کا غم دکھا" وہ اندھا ہوگیا اس کے لڑکے زمعہ، عقیل اور حرث اس کے سامنے فوت ہوئے، عاص بن وائل کے پیر کی طرف آپؐ نے اشارہ فرمایا وہ گدھے پر بیٹھ کر طائف جا رہا تھا، گدھے پر سے گرا، پیر میں ایک کانٹا چبھا اور اس طرح مرا، حارث بن طلیطلہ کے پیٹ کی طرف آپؐ نے اشارہ فرمایا وہ نمکین مچھلی کھا کر سویا رات میں پیاس لگی پانی پیا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا اور مر گیا۔ ثابت ہوا کہ آپؐ کے ساتھ استہزاء کرنے والے موجود تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کیا، اس سے بڑھ کر پیشنگوئی اور کیا ہو سکتی ہے۔

ابوجہل قریش کا سردار تھا اور استہزاء و جہالت میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا اس کو دوسرے اور کفار کے ساتھ عذاب جہنم کی بشارت اس طرح دی گئی:

خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۔ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ

پکڑو اسے اور لے جاؤ رگیدتے ہوئے جہنم کے بیچوں بیچ اور انڈیل دو اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب، چکھ اس کا مزا، تو بزعم خود بڑا زبردست اور عزت والا آدمی تھا۔"

اخنس بن شریق الثقفی اور بعض نے کہا کہ جمیل بن عامر الجمحی کے متعلق یہ کہا گیا کہ:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ

تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو منہ در منہ لوگوں پر طعن اور پیٹھ پیچھے

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۚ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۔ (الھمزۃ: ۱تا۵)

برائیاں کرنے کا خوگر ہے جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ رہے گا ہرگز نہیں اسے چکنا چور کر دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔"

گو یہ وعید ہر کافر کے لیے ہے، لیکن مخصوص امراء پر اس کا انطباق ہوا مکہ میں پیشینگوئیاں کی گئیں اور ان کا انجام یہ ہوا کہ بہت دن بعد کفر پر موت ہوئی۔

نضر بن الحارث رستم و اسفندیار کے قصے سنا کر لوگوں کو قرآن اور حضور پاکؐ کی مجلس سے دور کرتا تھا۔ حضور پاکؐ نے قرآنی زبان میں اسے عذاب مہین کی بشارت دی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (لقمان: ۶)

اور انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلام دلفریب خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے علم کے بغیر بھکا دے اور اسے مذاق میں اڑا دے ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

غزوۂ بدر میں وہ زخمی ہوا، اسیر ہو کر آیا، کفر پر مرا اور ہزیمت و شکست اور جراحت کے عذاب سے دوچار ہونے کے بعد دردناک عذاب کا حقدار بنا۔

ولید بن المغیرہ اسلام کا دشمن تھا قرآن کی حقانیت اس پر آشکارا ہو چکی تھی، لیکن اپنی سرداری قائم رکھنے کی غرض سے اس نے قریش کو یہ مشورہ دیا کہ جزیرۂ عرب سے

آنے والے لوگ موسم حج میں جب آئیں گے تو دعوت اسلام سے متاثر ہوں گے اس لیے کسی ایسی بات پر اتفاق کر لیا جائے جو صاحب رسالت کے متعلق ان سے کہی جائے، لوگوں نے کہا ہم کہیں گے محمدؐ (خاکم بدہن گستاخ) پاگل ہیں، شاعر ہیں، کاہن ہیں وغیرہ ولید نے کہا یہ غلط ہے اور لوگ یہ بات نہیں مانیں گے، پھر سوچ سمجھ کر اور غور و فکر کرکے کہا کہ یہ جادو ہے، سورۂ مدثر میں اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا:

"چھوڑ دے مجھ کو اور اس کو جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا، بہت سا مال اس کو دیا، حاضر رہنے والے بیٹے دیے، اس کے لیے ریاست کی راہ ہموار کی۔" (۱۱ تا ۱۴)

پھر آگے چل کر فرمایا، پھر سوچ سمجھ کر آخر کار بولا کہ:

"کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو پہلے سے چلا آرہا ہے، یہ تو ایک انسانی کلام ہے میں اسے عنقریب دوزخ میں پھینک دوں گا۔" (مدثر: ۲۴ - ۲۷)

آخر کار وہ کفر کی حالت میں مرا۔

غلبۂ روم کی پیشین گوئی

عربوں کی حدود پر فارس اور رومی حکومتیں تھیں جو اس وقت دنیا کی دو بڑی طاقتیں تھیں اور اقتدار و تسلط کے لیے آپس میں نبرد آزما رہتی تھیں، فارسی قوم آتش پرست مجوسی تھی، بت پرستی بھی عام تھی اور روم والے مسیحی تھے گو انہوں نے بھی دین میں تحریفات روا رکھی تھیں، ایک جنگ میں فارس کو روم پر جزیرہ میں فتح حاصل ہوئی، مشرکین قریش اس پر بہت مسرور ہوئے، کیونکہ فارس اسلام کے سخت دشمن تھے اور مشرک بھی تھے، مسلمانوں کو فارس کی یہ کامیابی اچھی نہیں لگی، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ پیشین گوئی کی۔

الٓمٓ، غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ

سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۝ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

(روم: ۱-۷)

الم، رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب ہو جائیں گے اللہ ہی کا اختیار پہلے بھی تھا اور بعد کو بھی ہے اور وہ دن وہ ہوگا کہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے اللہ نصرت عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ زبردست اور رحیم ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ کبھی وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں، لوگ دنیاوی زندگی کا بس ظاہری پہلو جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں۔

یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف ثابت ہوئی، سب کو یہ قصہ معلوم ہے کہ صدیقوں کے سردار ابوبکر الصدیقؓ نے قول الٰہی و رسول پاکؐ کی تصدیق کے لیے ابی بن خلف سے اس بات پر شرط باندھی کیونکہ ابی بن خلف نے خدا کی قسم کھا کر کہا تھا کبھی یہ نہیں ہو سکتا کہ روم فارس پر غالب آجائیں، یہ شرط نو اونٹوں کی تھی اور تین سال کی تھی، جب حضور رسالتمآبؐ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا بضع کے معنی تین سال سے زیادہ کے ہیں، الغرض حضرت ابوبکرؓ نے مدت بڑھوائی اور شرط میں مزید اونٹ بھی بڑھوائے، ایک روایت میں ہے کہ حضور پاکؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے سات سال کی مدت بتائی اور یہ پیشگوئی پوری ہوئی، تاریخ اس پر دلالت کرتی ہے۔

غزوۂ بدر میں فتح

مسلمانوں کو رومیوں کی فتح سے خوشی کا ہونا کوئی اہم بات نہیں تھی اس لیے ان آیات میں جو دوسری پیشنگوئی تھی جب وہ پوری ہوئی تو مسلمان فرحاں وشاداں تھے جس دن غلبۂ روم ہوا اسی دن مسلمانوں کو غزوۂ بدر میں مشرکین پر فتح حاصل ہوئی، غزوۂ بدر تمام آئندہ فتوحات کا پیش خیمہ اور دعوت اسلام کے ظاہر وغالب ہونے کا عظیم وسیلہ بنا، اس لیے خوشی ومسرت کا جشن اس دن کیسے نہ ہوتا؟

سورۂ روم مکی ہے اس میں کیے ہوئے وعدہ ہائے نصرت وفتح تمام اور سورتوں میں کیے ہوئے وعدوں کی طرح پورے ہوکر رہیں گے، سورہ کے آخر میں حضور پاکؐ سے خطاب ہے کہ کفار کی ایذارسانیوں اور استہزاء پر صبر کرو۔

> فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ
> (روم: ۶۰)

صبر کرو، اللہ کا وعدہ یقیناً سچ ہے اور ہرگز ہلکا نہ پاویں، تم کو وہ لوگ جو یقین نہیں کرتے۔

مرتدین کے خاتمہ کے لیے محبوب خدا گروہ کی آمد

فتح مکہ اور فتح طائف کے بعد اسلام جزیرۂ عرب میں سیل رواں کی طرح پھیل گیا، قبائل کے وفود آرہے تھے اور کوئی اسلام اور رسول اسلامؐ سے مخالفت کی ہمت نہیں کرسکتا تھا، اس وقت خدا نے اپنے رسول کے ذریعہ اطلاع دی کہ مرتدین کا ظہور ہوگا اور اس کی ابتدا حضورؐ کے زمانے ہی میں ہوئی اور مسیلمہ نے آپؐ کو اپنی نبوت کا خط لکھا جس میں آپؐ کے نبی ہونے کا اقرار بھی کیا، خط کے جواب میں آپؐ نے اس کو "کذاب" لکھا کیونکہ حضورؐ کے بعد کسی نبوت کے آنے کا امکان بھی کذب وافتراء وارتداد کا موجب ہے، ارتداد کی شدت اس وقت ہوئی، جب حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے بعد مسیلمہ کذاب، سجاح، الاسود العنسی، نیز معطلین شریعت کے

گروہوں نے علم بغاوت بلند کیا اور اسلام کی تعلیمات سے روگردانی کا برملا اظہار ہوا، حضرت ابوبکرؓ جیسے بظاہر نرم مزاج اور صلح جو انسان نے اس موقع پر بلاجھجک ان سب سے جہاد کیا اور فتنۂ ارتداد کا قلع قمع کیا، اس تمہید کے بعد قرآنی بشارت ملاحظہ ہو:

> يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ
> (المائدہ: ۵۴-۵۶)

اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے مرتد ہوگیا (اپنے دین سے پھر گیا) تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جو اس کے محبوب ہوں گے اور انہیں اللہ محبوب ہوگا، مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے (یعنی دین کے معاملہ میں کوئی سودا نہ کریں گے نہ خوف کھائیں گے) راہ خدا میں جہاد کریں گے، ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہ ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ وسیع (ذرائع) کا مالک اور (محیط) علم والا ہے تمہارا رفیق وولی تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے روبرو جھکنے والے ہیں اور جو اللہ اور اس کے

رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنائے

اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب

ہونے والی ہے۔

ان آیتوں میں مسلمانوں کے لیے متعدد امور پر غور کرنے کا موقع ہے، خاص طور پر ان آیتوں میں حضرت ابوبکرؓ اور اسلامی امت کی مدح و توقیر ہے جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ کا ساتھ دیا اور مرتدین پر غلبہ حاصل کیا اور اس کے مقابل جو گروہ حضرت ابوبکرؓ کو اپنی ملامت اور دیرینہ بغض کا ہدف بناتا ہے اس کو اگر رجوع الی الحق کی طلب ہو تو اس کے لیے بھی یہ آیات واضح اور روشن دلائل و حجت فراہم کرتی ہیں، لیکن اس موضوع کی تفصیل سے ہم یہاں گریز کرتے ہوئے چند نکات کی طرف صرف اشارہ کرتے ہیں۔ آیات میں:

۱۔ دین سے مرتد ہونے والوں کی اطلاع ہے اور یہ واقعہ ظاہر ہوا۔

۲۔ اس مرتد گروہ کو مغلوب کرنے اور کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے ایک قوم اور گروہ اٹھایا جائے گا، اس کی صفات یہ ہوں گی، سب سے اہم صفت یہ ہے کہ:

"اللہ ان سے محبت کرتا ہوگا وہ اللہ سے محبت کرتے ہوں گے"۔

۳۔ مومنوں کے لیے نرم ہوں گے، کفار کے لیے سخت ہوں گے۔

۴۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔

۵۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے اور نہ اسکی پرواہ کریں گے۔

۶۔ یہ محض اللہ کے فضل سے ہوگا۔

۷۔ ان کی ولایت اللہ، اس کے رسول اور مومنین سے ہوگی، یعنی کفار و منافقین و مرتدین سے نہ ہوگی۔

۸۔ وہ نماز کو قائم کریں گے، زکوٰۃ کو ادا کریں گے۔

۹۔ اور وہی گروہ غالب و فتح مند ہوگا۔

حضور پاکؐ کے وصال کے بعد مومن گروہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پیروی میں ابھرا اور مرتد گروہ سے اس نے جہاد و قتال کیا، نص قرآنی کی رو سے یہ جہاد فی سبیل اللہ تھا ملک گیری کی لڑائی نہیں تھی، خاص طور سے حضرت ابوبکرؓ کی نرمی مومنین پر ایک مسلم الثبوت بات تھی لیکن مرتدین سے جہاد کے سلسلے میں آپ سخت تھے اور کسی ایسے مشورہ کو آپ نے قبول نہیں کیا جس سے ان کے خلاف جہاد نہ کرنے کا جواز ملتا ہو، اس طرح آپ نے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو قبول نہیں کیا، نماز قائم کی اور مانعین زکوٰۃ کو زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور کیا اور حقیقت حال و تاریخ کی شہادت سے یہی گروہ غالب اور فتح مند ہوا، مرتدین کی سرکوبی ہوئی، عام لوگوں نے توبہ کی اور مکمل اسلام میں داخل ہوئے، ان کوششوں کے ذریعے انھوں نے اللہ سے محبت کے وعدہ کو پورا کرکے دکھایا اور سب سے بڑی سرفرازی اور کامیابی تو یہ کہ وہ اللہ کی محبت و رضا کے مستحق ٹھہرے۔

خدانخواستہ حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے معاون خلفائے ثلاثہ و مہاجرین و انصار اگر آیت کا مصداق نہیں ہیں تو پھر آخر اس کا مصداق کون ہے؟ نص قرآنی کی رو سے ایسے گروہ کا ظاہر ہونا ضروری تھا جو مرتدین کے خلاف جنگ کرتا۔

اور اگر خدانخواستہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور مہاجرین و انصار ہی مرتد ہو گئے تھے تو نص قرآنی کی رو سے کونسا وہ گروہ پردۂ ہستی پہ نمودار ہوا جس نے ان کے خلاف جہاد کیا، ان کو شکست دی اور خود غالب و فتح مند ہوا؟

بس جب ایسا کوئی گروہ نہ دنیا کے پردے پر اور نہ تاریخ میں نمودار ہوا تو

اب اس کے سوا عقلی و علمی و شرعی و تاریخی طور سے کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ اس عظیم پیشینگوئی کا مصداق صدیقوں کے سردار اور صدیقوں کا وہ پاک باطن گروہ ہی تھا وہ صدیق اکبرؓ کے ساتھ تھا۔

یہ آیت حقانیت قرآن و رسالت کی بہت بڑی دلیل اور صدیقیت صدیقؓ کی واضح حجت ہے اور ان کی اللہ سے محبت اور اللہ کی ان سے محبت و رضا کی واضح نشانی ہے۔

پیشینگوئیوں کے مختصر اشارے اب ہم بعض ان واقعات کی طرف صرف اشارہ کرتے ہیں جو آپ نے آئندہ کے متعلق فرمائے اور وہ واقع ہوئے۔

آپ نے تمام لوگوں کو خدا کی طرف سے یہ چیلنج دیا کہ "تمہارا جو جی چاہے کرو تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"۔ (ہود: ۵۵)

آپ نے فرمایا کہ یہ دین چار دانگ عالم میں غالب ہو کر رہے گا "وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق لے کر ارسال فرمایا تاکہ اس دین کو پوری جنس دین پر غالب کر دے"۔ (فتح: ۲۸)

ڈنکے کی چوٹ پر آپ نے تمام باطل ادیان و نظریات اور قریش کے من گھڑت معتقدات کو باطل اور فریب سے تعبیر کیا اور اسلام کے متعلق فرمایا "حق آگیا اور باطل کی روح نکل گئی، باطل کی روح نکلنی ہی چاہیے"۔ (الاسراء: ۸۱)

اور ایسا ہی ہوا، اسلام غلبہ اور حجت و دلیل سے آپ کی زندگی میں جزیرۂ عرب میں اور خلفائے راشدین و خلفائے اسلام کے عہد میں اس وقت کی تمام دنیا پر غالب ہوا۔

واضح اعلان کیا گیا کہ "دشمنوں کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا جائے گا"۔ (انفال: ۱۲) اور بار بار اس کا ظہور ہوا "کفر و شرک کے لشکر شکست کھائیں گے اور پیٹھ

پھیر کر بھاگ جائیں گے"۔ (القمر: ۴۵)

اور کفار کی مرضی کے خلاف "اللہ تعالیٰ اپنا نور (اسلام کی روشنی) پوری طرح ظاہر کر دے گا۔ (توبہ: ۳۲)

زبور داؤد کی پیشینگوئی پوری ہوگی "میرے صالح بندے زمین کے وارث ہوں گے"۔ (الانبیاء: ۱۰۵) اور جب تک مسلمان زمین کے لیے، انسانیت کے لیے اور خدا کے احکامات پر کامل زندگی گذارنے اور بندگی کی شرطوں کو پورا کرنے کے لائق رہے اور صلاح و خیر کے وارث رہے زمین ان کے ورثہ میں رہی۔

کفار و مشرکین کے مکر و فریب سے گھبرانے کی ضرورت نہیں "تمہارا نگہبان اللہ ہے، اس نے تمہاری حقیقی تائید اپنی مدد سے کی ہے اور مومنوں کو تمہارا مددگار بنایا گیا ہے۔

(الانفال: ۶۲)

اور یہ حقیقت واقع ہو کر رہی سخت جاں دشمنوں کے نرغے میں آپ رہے اور انکی کوئی سازش اور مکر و فریب آپ کو نقصان نہ پہنچا سکا اور خدا نے آپ کی مکمل نگرانی اور مدد کی اور سبب کے طور پر بعض اوقات فرشتوں کو ارسال کیا، کبھی ہوا اور قدرتی وسائل سے مدد کی اور عام طور پر مہاجرین و انصار کے برگزیدہ گروہ کو آپ کی معاونت کے لیے مقرر کیا، جنھوں نے اپنی جان اور اپنی دولت دین الٰہی کی نصرت و اشاعت اور رسول اسلام کی مدافعت میں خرچ کی۔

آپ نے قبیلہ مضر پر قحط نازل ہونے کی بد دعا کی اور انہیں اس کی خبر دی، اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ بھوک سے نڈھال ہو گئے، آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا، مفسرین نے صحیح قول یہی لکھا ہے کہ آیت قرآنی میں وارد دخان یعنی دھوئیں سے مراد یہی ہے۔ مشرکوں کی

دعا اور فرمان الٰہی "کہتے ہیں پروردگار ہم پر سے یہ عذاب ٹال دے ہم ایمان لے آتے ہیں، ان کی غفلت کہاں دور ہوتی ہے ان کا حال تو یہ ہے کہ ان کے پاس رسول امین آگیا، پھر بھی اسکی طرف ملتفت نہیں ہوئے اور کہا کہ یہ سکھایا پڑھایا باولا ہے"۔ (دخان: ۱۲-۱۳) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہوچکا ہے، بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب یہ ہوگا، بہر دو صورت یہ ہوچکا ہے یا ہوگا، یا یہ بھی ممکن ہے کہ ہوچکا ہو اور دوبارہ بھی ہو۔

"یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى" (دخان: ۱۶) جس دن ہم بڑی ضرب لگائیں گے (پکڑ کریں گے) وہ دن ہوگا جب ہم تم سے انتقام لیں گے، اس سے قیامت کا دن بھی مراد ہے اور مفسرین کے خیال میں یہ بدر کے دن کے عذاب کی پیشینگوئی ہے جس دن قریش کے ستر اکابر قتل ہوئے، کفر کا چراغ مدھم ہوا اور اسلام کے نشر و اشاعت اور اظہار دین کا دروازہ کھلا۔

آیت قرآنی "اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ" (قصص: ۸۵) کی تفسیر یہ ہے کہ وہ خدا جس نے تم پر قرآن نازل کیا ہے تمہیں معاد یعنی بہترین انجام تک پہنچائے گا، یعنی تم پر اس قرآن کو پھیلانے کی ذمہ داری ہے، ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ تمہیں دوبارہ اپنے معاد یعنی جس جگہ سے آئے ہو یعنی مکہ واپس لے جائے گا۔ فتح مکہ اس بشارت کی تعبیر ہے۔

عثمان بن ابی طلحہ سے آپؐ نے مکہ میں کہا تھا "وہ دن یاد کرو جب کعبہ کی کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی" اور ایسا ہی ہوا۔ آپؐ نے کمال شفقت و رحمت و عدل کے پیش نظر پھر مفتاح کعبہ عثمان ابن ابی طلحہ ہی کو واپس کر دی، مظلوموں کو جب قتال کی اجازت

دی گئی تو فتح و ظفر کی بشارت بھی ساتھ دی گئی (حج: ۳۹-۴۰) اور یہ فتح نصیب ہوئی۔

غزوۂ احزاب کی پریشانیاں ایسی تھیں کہ قرآن نے اس کی بلیغانہ تصویر کشی کی ہے دل حلق تک آگئے تھے، خوف و ہراس کا عجیب عالم تھا، دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا، مدینہ شریف میں رہنا دوبھر ہو رہا تھا، اس یاس آمیز ماحول میں آپؐ نے دنیا کے بہت سے علاقوں کے فتح ہونے کی بشارت دی جو پوری ہوئی۔

اس کے علاوہ متعدد مواقع پر آپؐ نے فارس و شام، مصر و ہندوستان اور قسطنطنیہ کے فتح ہونے کی پیشین گوئیاں فرمائیں جو حرف بہ حرف پوری ہوئیں۔

اس تمام تفصیل کے بعد کوئی منصف کیا اس بات میں ادنیٰ شک کر سکتا ہے کہ بشارت انجیل میں جس نبی برحق کا یہ تذکرہ کیا گیا ہے کہ "وہ تم کو آئندہ کے متعلق خبریں دے گا" وہ حضور پُرنور، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین والمرسلین محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا ہو سکتا ہے۔

علمائے اصول کے نزدیک صحابہ اور انکی روایات کا مقام

از ڈاکٹر محمد باقر۔ ملتان

(۲)

احناف کے نزدیک رواۃ صحابہ کے اقسام احناف عدالت صحابہ کے قائل ہونے کے باوجود دینی امور کی اہمیت اور صحابۂ کرام کے طرز عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے صحابی راویوں کے ان اقسام کے قائل تھے۔

۱۔ معروف راوی ۲۔ مجہول راوی۔

معروف راوی کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں:۔

(الف) صحابۂ کرام میں معروف راوی وہ ہیں جن کی شہرت ہر طرف پھیلی اور مدت دراز تک وہ آپؐ کے ساتھ رہے اور ان سے بے شمار احادیث مروی ہیں اور اگر احادیث مروی نہیں تو کتب حدیث ومغازی اور فتاوی میں ان کا کثیر ذکر ہے، ایسے صحابہ کی پھر دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ جو فقہ واجتہاد میں معروف تھے ۲۔ جو فقہ اور اجتہاد میں معروف نہ تھے۔

۱۔ ایسے راوی جو عدالت، حسن ضبط وقوت ضبط کے ساتھ فقہ واجتہاد میں بھی مشہور تھے، اگر ان کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک صحیح اسناد سے ثابت ہو تو ان کی روایت پر عمل کرنا مقدم ہے اور اگر وہ حدیث مخالف قیاس ہو تو

اس روایت کے مقابلے میں قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور اگر حدیث قیاس کے مطابق ہے تو حدیث پر عمل ہوگا اور قیاس کو اس کا موید سمجھا جائے گا[1]

یہ معروف راوی خلفائے اربعہ عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن عباس، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، ابو موسیٰ اشعری، ابو درداء، ابی بن کعب، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور اسی طرح اور کئی اصحاب کرام ہیں۔ صحابہ میں فقیہ اور مجتہد لوگوں کی تعداد بیس سے متجاوز تھی۔

احناف ان حضرات کی احادیث کو خواہ مخالف قیاس ہی کیوں نہ ہوں قبول کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں[2]۔ اس لیے محمد بن الحسن شیبانی نے مندرجہ ذیل حدیث کو قبول کیا ہے جس میں یہ حکم ہے کہ دوران نماز قہقہہ لگانے سے وضو اور نماز دونوں فاسد ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک نابینا صحابی آئے اور کنوئیں میں گر گئے اس کو دیکھکر بعض صحابی نماز میں اس طرح ہنسے کہ آواز دوسروں نے سنی، آپؐ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا:

"تم میں سے جو نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسے وہ وضو اور نماز دونوں لوٹائے"[3]

یہ حدیث اس لحاظ سے قیاس کے مخالف ہے کہ بدن میں کسی نجاست کے نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے اور قہقہہ کسی نجاست کے نکلنے کا باعث نہیں، اس لیے یہ نواقض وضو میں سے نہیں ہو سکتا لیکن چونکہ یہ حدیث متعدد فقیہ صحابہ سے مروی ہے اس لیے احناف نے قیاس کو ترک کر کے اس حدیث کے حکم کو قبول کیا ہے[4]

اسی طرح محاذات کے مسئلہ میں بھی احناف نے قیاس کو ترک کر کے اس حدیث پر

عمل کیا ہے۔

اخروھن من حیث اخرھن اللہ تعالیٰ [5]	انہیں (عورتوں کو) اس طرح پیچھے رکھو جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں پیچھے رکھا ہے۔

مسئلہ محاذات یہ ہے کہ نماز باجماعت کے دوران عورتوں کی صف مردوں کی صف کے پیچھے ہونی چاہیے۔ لیکن اگر کوئی بالغ مرد نماز کی نیت سے کسی بالغہ عورت کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

یہ حدیث اس لحاظ سے مخالف قیاس ہے کہ اگر مرد کے عورت کے ساتھ کھڑے ہونے سے اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے تو عورت کی بھی فاسد ہو جانی چاہیے یا دونوں کی فاسد نہ ہو۔ لیکن احناف نے اس مسئلے میں قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا ہے جو عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور ان کی رائے میں اس صورت حال میں صرف مرد کی نماز فاسد ہوگی۔ عورت کی نہیں ہوگی۔ [6]

اسی طرح یہ حدیث جس میں کہا گیا ہے کہ قے کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک قیاس کے مخالف ہے،

من قاء اور عف فی صلاۃ فلینصرف و یتوضا ولیبن علی صلاتہ مالم یتکلم۔ [7]	جس نے نماز کے دوران قے کی ہو یا اس کی نکسیر پھوٹی ہو تو اس کو چاہیے کہ وضو کرکے بقیہ نماز پوری کرے اگر اس نے اس دوران بات نہ کی ہو۔

احناف کے نزدیک قے سے وضو ٹوٹنا خلاف قیاس ہے، کیونکہ قے معدہ کے

اوپر والے حصہ سے نکلتی ہے اور بدن میں وہ جگہ نجاست کا مقام نہیں، بلکہ نجاست کے مقامات کچھ اور ہیں۔ اس لیے جب بدن سے نجاست ہی نہیں نکلی تو وضو بھی نہیں ٹوٹے گا لیکن چونکہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے جو فقیہ صحابیہ تھیں، اس لیے اس حدیث پر عمل ہوگا اور قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔ [8]

۲۔ دوسری معروف قسم میں وہ صحابی راوی ہیں جو حافظہ اور عدالت میں معروف ہوں مگر اجتہاد و فتویٰ دینے کے اہل نہ ہوں، ایسے راویوں میں حضرت ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ، سلمان فارسیؓ، بلال حبشیؓ وغیرہم ہیں۔

ان کی روایات کو دیکھا جائے گا اگر وہ قیاس کے موافق ہوئیں تو قبول کی جائیں گی اور اگر مخالف قیاس ہوئیں تو ترک کر کے قیاس کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ رائے جمہور احناف اور امام مالک کی ہے۔ ان کے نزدیک اگر اس قسم کے راوی کی حدیث پر عمل کو مقدم رکھا جائے اور قیاس کو بغیر ضرورت کے ترک کر دیا جائے تو اس کے نتیجہ میں رائے کا دروازہ ہر طرح سے بند ہو جائے گا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول کی مخالفت ہوگی۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ [9]	عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو

اس کے علاوہ جب کوئی غیر فقیہ راوی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سن کر اس کو اپنے الفاظ اور اپنی سمجھ کے مطابق ادا کرے گا تو اس بات کا غالب امکان ہے کہ اس نے آپؐ کے بیان کردہ مطلب سے ہٹ کر کوئی اور مطلب سمجھا ہو یا آپؐ کی مراد ہی نہ سمجھا ہو۔ [10] اس لیے اس قسم کے راویوں کی احادیث کو اگر قیاس کے موافق ہوئیں تو قبول کیا جائے گا ورنہ رد کر کے قیاس کو ان پر ترجیح دی جائے گی۔ [11]

جمہور احناف یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ صحابہ کو دو اقسام فقیہ وغیر فقیہ میں تقسیم کرنے سے ان کی مراد کسی صحابی کی توہین نہیں مثلاً ابی ہریرہؓ کی عدالت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طویل صحبت پر کون شک کر سکتا ہے حتی کہ آپؐ نے ان سے کہا:

زرغبا تزدد حبا۔ [۱۲] ابوہریرہ کچھ مدت کے بعد ملو تاکہ محبت زیادہ ہو۔

ان کے حافظہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دعا فرمائی تھی اور حضرت انس بن مالک کی روایتوں سے امام ابو حنیفہؒ نے کئی مرتبہ استنباط کیا ہے لیکن یہ دین کا معاملہ ہے اس لیے اگر ہم ان کی خلاف قیاس حدیثوں کو مان لیں تو اس سے رائے اور قیاس کا دروازہ بند ہو جائے گا اور ان صحابہ کی روایات قرآن و سنت اور اجماع کی ناسخ ہو جائیں گی۔ [۱۳]

احناف نے اس کی مثال میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیثیں پیش کی ہیں:

توضئوا مما مسته النار [۱۴] آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو کرو۔

اس سے مراد یہ ہے کہ آگ سے پکی ہوئی اشیاء اگر منہ کو لگیں تو وضو دوبارہ کرو۔ جب یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سنی تو انہوں نے یہ دلائل دیتے ہوئے کہ اگر آگ سے پانی گرم کر کے اس سے وضو کیا جائے یا تیل نیم گرم کر کے ہونٹوں پر لگایا جائے تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ یہ حدیث رد کر دی [۱۵] اس طرح حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث مروی ہے:

من حمل جنازة فليتوضاء [۱۶] جو جنازہ کو کندھا دے اسے چاہیے کہ

دوبارہ وضو کرے۔

اس کو حضرت عبداللہ بن عباس نے یہ کہہ کر کیا خشک لکڑیاں اٹھانے کی وجہ سے ہم وضو کو لازم قرار دیں؟ رد کر دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ:

ولد الزنا شر الثلاث، [۱۷] حرامی بچہ تیسرا برا ہے۔

اس کو حضرت عائشہؓ نے قرآن کی یہ آیت پڑھ کر رد کر دیا:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی [۱۸] کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

صحابہ کرام کے اس عمل اور عقلی دلائل کی وجہ سے جمہور احناف غیر فقیہ صحابی کی حدیث کو اگر وہ مخالف قیاس ہو ترک کر کے قیاس کو اس پر ترجیح دیتے ہیں [۱۹]

۲۔ غیر فقیہ راوی کے بارے میں دوسری رائے احناف میں سے کرخی، ان کے پیروکار اور جمہور علمائے اصول (مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ) کی ہے۔ ان کے نزدیک راوی کا فقیہ ہونا شرائط راوی میں سے کوئی شرط ہی نہیں۔ اس لیے ہر وہ راوی جو متفقہ شروط روایت پوری کرتا ہو، اس کی حدیث خواہ موافق قیاس ہو یا مخالف ہو قبول کی جائے گی اور اس کے مقابلے میں قیاس کو رد کر دیا جائے گا۔ ہاں اگر خبر قرآن، سنت اور اجماع کے مخالف ہے تو قابلِ رد ہے۔ [۲۰]

احناف میں سے بعض کے نزدیک حضر ابوہریرہؓ کا شمار بھی صحابہ مجتہدین میں سے ہوتا ہے کیونکہ وہ خود بھی فتویٰ دیتے اور کسی دوسرے صحابی کے فتویٰ پر عمل نہیں کرتے تھے اور وہ بڑے بڑے صحابہ کا معارضہ بھی کرنے لگے تھے، مگر یہ رائے مرجوح ہے۔ [۲۱]

۳۔ غیر فقیہ صحابی کے بارے میں تیسری رائے یہ ہے کہ اگر اس کی روایت

خلاف قیاس ہو مگر امت اسے قبول کر لے تو اس خبر پر عمل ہوگا اور قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔[۲۲]

(ب) راوی کی دوسری قسم مجہول سے مراد مجہول عین ہے نہ کہ مجہول عدالت، کیونکہ احناف مجموعی طور پر صحابہ کی عدالت کے قائل ہیں، لیکن اس اصطلاح سے ان کی مراد وہ صحابی ہیں جو مدت دراز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے اور آپ سے مستفیض ہونے میں مشہور نہیں ہوئے، بلکہ کبھی کبھار اپنے قبیلے سے آئے اور آپ کے کلام کو سنا اور لوٹ گئے اور ان سے ایک یا دو حدیثیں مروی ہیں۔ انکی پانچ اقسام ہیں[۲۳]

۱۔ ایسے صحابی جو کثرت سے روایات بیان کرنے میں مشہور نہ ہوں اور ان سے صرف ایک یا دو حدیثیں مروی ہوں، اگر ان کی روایت کردہ حدیثوں کو ثقہ اصحاب قبول کرلیں اور اس کے صحت کی شہادت دیدیں تو ان کی احادیث معروف صحابی کی مانند ہی تصور ہوں گی۔ کیونکہ ثقہ صحابیوں کا ان احادیث پر اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ اس کی مثال وابصہ بن معبد، سلمہ بن محبق اور معقل بن سنان الاشجعی ہیں[۲۴]

۲۔ ایسے صحابی جن کی روایتیں دور صحابہ میں شہرت حاصل کر گئی ہوں لیکن ثقہ صحابہ نے ان پر کوئی طعن نہ کیا ہو تو وہ روایتیں بھی قبول کی جائیں گی، کیونکہ بولنے کی جگہ پر نہ بولنا بھی رضامندی کی ایک علامت ہوتی ہے جب ثقہ صحابہ نے ان کو سنا اور خاموش رہے تو یہ تقدیراً ان کی رضامندی ہوگئی، اس قسم کے راوی کا مقام بھی سابقہ قسم کی طرح ہے۔[۲۵]

۳۔ ایسے صحابی جن کی روایتیں جب ثقہ صحابیوں کے سامنے پیش کی گئیں تو کچھ نے

ان کو قبول کیا اور بعض نے رد کر دیا۔ ایسے راوی کے بارے میں اختلاف ہے مثلاً معقل بن سنان الاشجعی نے ایسی منکوحہ عورت کے بارے میں جس کا حق المہر مقدر نہ کیا گیا ہو اور اس کا خاوند خلوت صحیحہ سے پہلے فوت ہو جائے، یہ حدیث بیان کی ہے کہ:

عن معقل بن سنان الاشجعی کان ذکر بروع بنت واشق انہ مات عنها هلال بن ابی مرة ولم یکن فرض لها دخل بها فقضی لها رسول الله صلی الله علیه وسلم بمهر مثل نسائها[۲۶]

معقل بن سنان الاشجعی سے روایت ہے کہ بروع بنت واشق کا خاوند ہلال بن ابی مرہ نکاح کے بعد خلوت صحیحہ سے پہلے فوت ہوگیا اور اس نے حق المہر کا تعیین بھی نہیں کیا تھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے مہر مثل کا فیصلہ فرمایا۔

اس حدیث کو حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ:

ما نصنع بقول اعرابی بوال علی عقبیه۔

ہم ایسے اعرابی کے قول کو کیسے قبول کریں جو کھڑے ہو کر پیشاب کرتا ہے۔

لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس کو قبول کیا اور اس کے مطابق فتویٰ دیا[۲۷]

ایسے راوی کے بارے میں احناف کی رائے ہے کہ اس کی روایت قبول کی جائے گی۔ لیکن امام شافعیؒ اس حدیث کو رد کر دیتے ہیں کیونکہ وہ مخالف قیاس ہے لیکن احناف کے نزدیک اول یہ کہ معقل سے ابن مسعود، علقمہ، مسروق، نافع بن جبیر اور حسن نے روایت کی ہے۔ مزید یہ کہ ان کا تعلق خیر القرون سے ہے جس کے عدالت کی شہادت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اس لیے اس حدیث کو قبول کیا جائے گا۔[۲۸]

۴۔ جس صحابی کی حدیث سلف میں ظاہر ہوئی ہو اور انہوں نے اسے رد کر دیا ہو تو یہ ان کی طرف سے اس صحابی کی مرویات کا رد شمار ہوگا اور اس کی حدیثوں کو اگر خلاف قیاس ہوں تو رد کر دیا جائے گا۔[29]

۵۔ جس صحابی کی احادیث سلف میں نہ ظاہر ہوئی ہوں اور نہ ہی سلف نے اس کی مخالفت کی ہو تو وہ رد و قبول کے مابین ہے اس کی وجہ سے قیاس کو ترک نہیں کیا جائے گا، لیکن اس پر عمل جائز ہے کیونکہ تمام صحابۂ کرام معلوم العدالت ہیں اور اس زمانہ کے لوگوں کی عدالت پر شک نہیں کیا جا سکتا ہے[30]

راویوں کی اقسام کے بارے میں جمہور کی رائے جمہور علمائے اسلام کے ہاں راوی کے یہ دو اقسام معروف و مجہول موجود ہیں اور نہ وہ صحابہ کو چاہے ان سے ایک حدیث ہی کیوں نہ مروی ہو مجہول تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر اس شرط کو برقرار رکھا جائے تو حمزہ بن عبدالمطلب، مصعب بن عمیر، خبیب، عاصم بن الافلح اور اس طرح کے کئی اور جلیل القدر صحابہ مجہولین میں شمار ہوں گے۔ اس لیے جمہور کے نزدیک یہ تقسیم صحیح نہیں اور ان کی رائے میں تمام صحابہ معلوم العین، معلوم العدالت اور معلوم الحال ہیں[31]

عدالت صحابہ پر یہ سیر حاصل بحث کرنے کے بعد علمائے اصول نے صحابہ کے حدیث نقل کرنے کے طریقوں کی بھی وضاحت کی ہے، جو اس طرح ہے۔

صحابہ کے حدیث نقل کرنے کے طریقے حدیث کے نقل کرنے کے طریقہ میں علمائے اصول نے صحابی اور غیر صحابی میں فرق کیا ہے، اصحاب کرام کے نقل کرنے کے مراتب درج ذیل ہیں۔

۱۔ کوئی صحابی یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمایا تھا میں نے سنا یا "اخبرنی، وشافہنی" کے الفاظ استعمال کرے تو اس حدیث کا درجہ بہت بلند

ہوگا اور یہ متفقہ طور پر حجت ہے۔ لیکن اس احتمال کی وجہ سے کہ شاید یہ خبر اس صحابی نے کسی اور صحابی سے سنی ہو وہ حدیث نص صریح نہیں ہوگی۔

۲۔ کسی صحابی کا یہ کہنا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم دیا ہے یا اس سے روکا ہے تو جمہور کے نزدیک یہ حجت ہے لیکن داؤد ظاہری اور بعض متکلمین اسکے مخالف ہیں اور ان کے نزدیک یہ حجت نہیں۔

۳۔ کوئی صحابی مفعول کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہیں کہ "امرنا بکذا"، یا "نہینا عن کذا"، یعنی اس بات کا حکم دیا گیا یا یہ اشیاء ہمارے لیے مباح رکھی گئیں تو امام شافعی اور آمدی کے نزدیک وہ حجت ہیں، لیکن کرخی اور صیرفی متردد ہیں کہ آیا وہ اللہ کا حکم تھا جسے آپ نے صادر فرمایا یا صرف آپ کا اپنا حکم تھا۔

۴۔ کسی صحابی کا یہ کہنا کہ سنت سے یہ ثابت ہے تو یہ امام شافعی کے ایک قول کے مطابق اور آمدی کے نزدیک حجت ہے جب کہ کرخی اور امام شافعی کے دوسرے قول کے مطابق حجت نہیں ہے۔

۵۔ کسی صحابی کا یہ کہنا "عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" تو اس میں یہ احتمال ہے کہ انہوں نے کسی اور سے سنا ہو لیکن ظاہراً یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ سے سنا ہوگا، اس لیے جمہور کے نزدیک یہ بھی حجت ہے۔

۶۔ کوئی صحابی یہ کہیں کہ ہم عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح کرتے تھے یا فلاں لوگ آپ کے دور میں ایسے کرتے تھے تو یہ بھی حجت ہے کیونکہ صحابہ آپ کے سامنے کچھ کریں اور آپ ان کو نہ روکیں تو وہ بھی سنت ہے اور حجت ہے[32]

رہے صحابہ کرام کے مراسیل تو اس پر ہمارا مفصل مقالہ برہان دہلی (جنوری ۱۹۹۵ء)

میں شایع ہو چکا ہے، قارئین اسے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

حواشی

[۱] بزدوی، اصول البزدوی، ص ۱۵۹ [۲] نسفی، کشف الاسرار شرح المنار ج ۲، ص ۱۰ [۳] سنن دار قطنی، کتاب الطہارۃ، باب احادیث القہقہۃ فی الصلاۃ وعللہا [۴] شاشی، اصول الشاشی، ص ۷۵ [۵] زیلعی جمال الدین، مطبوعات مجلس علمی سورت ج ۲، ص ۳۶ [۶] شاشی، اصول الشاشی، ص ۷۵ [۷] زیلعی نصب الرایہ ج ۲، ص ۶۱ [۸] شاشی، اصول الشاشی، ص ۷۵، [۹] المختصر، ۲ [۱۰] شاشی اصول الشاشی، ص ۷۶ [۱۱] حقانی، حسامی مع النامی، ج ۱، ص ۴۰ [۱۲] کنز العمال، بیروت، ۱۴۰۵ھ ج ۹، ص ۱۳۰، حدیث نمبر ۲۴۷۰۸ [۱۳] بزدوی، اصول البزدوی، ص ۱۵۹ [۱۴] سنن ابی داؤد۔ ابواب الطہارۃ، باب الوضوء مما غیرت النار [۱۵] سرخسی۔ اصول السرخسی، ج ۱، ص ۳۴۳ [۱۶] مسند احمد بن حنبل ج ۲، ص ۵۵۴ [۱۷] المستدرک علی الصحیحین، ریاض، مکتبہ، کتاب الاحکام ج ۴، ص ۱۰۰ [۱۸] بنی اسرائیل ۱۵ [۱۹] نسفی۔ کشف الاسرار شرح المنار ج ۲، ص ۷ [۲۰] باجی۔ احکام الفصول، ص ۲۹۲ [۲۱] نجم الغنی حکیم، مزیل الغواشی شرح اصول الشاشی، ملتان، ۱۹۸۶ء، ص ۳۱۶ [۲۲] نسفی۔ کشف الاسرار شرح المنار ج ۲، ص ۴ [۲۳] امیر بادشاہ، تیسیر التحریر، ج ۴، ص ۵۳ [۲۴] نسفی کشف الاسرار شرح المنار ج ۲، ص ۲۸ [۲۵] سرخسی۔ اصول السرخسی۔ ج ۱، ص ۳۴۳ [۲۶] مسند احمد بن حنبل ج ۲، ص ۴۸۰ [۲۷] بزدوی۔ اصول البزدوی، ص ۱۶۰ [۲۸] حقانی، حسامی شرح النامی، ص ۱۵۰ [۲۹] امیر بادشاہ، تیسیر التحریر، ج ۴، ص ۵۳ [۳۰] عبد العزیز بخاری۔ کشف الاسرار، ج ۲، ص ۷۰۹ [۳۱] باجی۔ احکام الفصول، ص ۲۹۵ [۳۲] ارموی، سراج الدین۔ التحصیل من المحصول، تحقیق عبد الحمید علی ابو زید، بیروت، ۱۹۸۸ء، ج ۲، ص ۱۴۴۔

عین الملک ماہرو اور اس کے منشآت

از جناب سید محمد اسد علی خورشید صاحب، علی گڑھ

ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی علمی و ادبی تاریخ میں عین الملک عبد اللہ ابن ماہرو کا نام بڑی خصوصیت کا حامل ہے۔ وہ علم و ادب ہی میں یگانہ نہ تھا بلکہ حکومت و سیاست میں بھی ماہر اور تجربہ کار سمجھا جاتا تھا لیکن افسوس ہے کہ ہم عصر منابع و مآخذ اس کے حالات کے ذکر سے خالی ہیں۔ البتہ سیاست و حکومت میں عمل و دخل کی بنا پر ابن بطوطہ، سراج عفیف اور ضیاء برنی نے جا بجا اس کا ذکر کیا ہے، جس سے اس کی شخصیت کا ایک دھندلا خاکہ سامنے آتا ہے۔

عین ماہرو کا نام عین ماہرو کے نام کے سلسلے میں بھی محققین تذبذب کا شکار ہیں کہیں اسے عین الدین کہا گیا ہے تو کہیں عبد اللہ۔ بعض مورخین نے عین الملک ملتانی اور بعض نے عین الملک ماہرو سے مخاطب کیا ہے، جب کہ عین ماہرو نے خود کو محض ماہرو کہا ہے اغلب یہ ہے کہ عین الدین عین الملک اس کا لقب اور عبد اللہ نام تھا۔ اس طرح مصحح "انشاء ماہرو" کے مطابق اسکا مکمل نام عین الدین عین الملک عبد اللہ ابن ماہرو قرار پاتا ہے۔

پیدائش و وطن ابن ماہرو کی تاریخ پیدائش اور وطن کے متعلق بھی بے خبری ہے، اس کے نام کے ساتھ منسلک نسبت ملتانی کی وجہ سے قیاساً یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ غالباً اسکی پیدائش ملتان میں ہوئی ہوگی اور وہیں اس نے پرورش بھی پائی ہوگی، یا پھر مدت دراز

تک ملتان سے وابستہ رہنے کی بنا پر ملتانی نسبت سے شہرت پائی ہو۔ بعض اصحابِ قلم نے ابن ماہرو کو ایرانی النسل شمار کیا ہے، جب کہ عین ماہرو نے خود کو اپنے ایک مکتوب میں تاجیکی بیان کیا ہے۔ چنانچہ مسطور ہے کہ:

"درین دیار نعیم ہمان وجہ مواجب . . . . می ستانم۔ بانصد تنکہ از ملتان مرا ذخیرہ نماندہ وبا آن کہ مرتبہ وجاہ براہم موفورۂ پادشاہ جہان پناہ بدان مشابہ است کہ ہیچ تاجیکی را نہ . . . ." (انشای ماہرو ص۸)

دکتر ذبیح اللہ صفا نے ابن ماہرو کے خود کو تاجیک بیان کرنے کی تاویل کے ضمن میں یوں رقم کیا ہے کہ:

". . . . زیرا خود او در ضمن منشآت خویش بہ "تاجیک" بودن خود اشارہ دارد و چنانکہ می دانیم درین مورد مقصود را "تاجیک" ایرانیانیست کہ در برابر ترکان مہاجر بہ ہند قرار داشتہ وجمعاً تشکیل دہندگان حکومتہای مسلمانانِ ہند بودہ اند۔" (تاریخ ادبیات در ایران ص۱۳۰۶)

عہدے ومناصب عین الملک امیر ماہرو کا بیٹا تھا۔ سیاسی اعتبار سے اس کی شخصیت بڑی اہم تھی۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے اعلیٰ افسران کی فہرست میں اس کا نام سرِ فہرست نظر آتا ہے۔ عین الملک ماہرو نے سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں ناظم و منصرم کی حیثیت سے اعلیٰ مقام حاصل کر لیا تھا۔ جب فیروز شاہ سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے پہلے عین ماہرو کو مشرف ممالک کے عہدۂ جلیلہ پر فائز کیا پھر ملتان کی امارت تفویض کی۔

بنارسی پرشاد سکسینہ کے بیان کی تردید ضیاء الدین برنی سب سے پہلے عین الملک کا ذکر اس وقت کرتا ہے۔ جب سلطان علاء الدین خلجی نے محاصرۂ قلعۂ رنتھمبور کے

دوران ایک مجلسِ خاص طلب کی تھی۔ یہاں جس عین الملک کا ذکر ہوا ہے اسے شیخ عبدالرشید مصحح ومدون انشائے ماہرو نے عین ماہرو یعنی صاحب "انشائے ماہرو" ہی تصور کیا ہے لیکن پروفیسر بنارسی پرشاد سکسینہ نے دونوں کو دو مختلف شخصیتیں قرار دیا ہے کیونکہ اولاً تو ایک ہی شخص ہونے کی بنا پر ایک کی مدت کار ۷۵ برس ماننا پڑے گا، ثانیاً یہ کہ عین الملک ملتانی ایک مشہور سپہ سالار تھا جبکہ عین ماہرو بقول برنی جنگی تدابیر اور عسکری تجربوں سے نابلد تھا۔

پروفیسر سکسینہ کا خیال ہمارے نزدیک محل نظر ہے جہاں تک پچھتر سالہ مدت کار کا سوال ہے تو یہ بعید از قیاس نہیں۔ ممکن ہے ۱۳۰۱ء میں قلعۂ رنتھمبور کے محاصرے کے دوران طلب کی گئی علائی مجلس خاص میں شرکت کے وقت عین ماہرو کا عنفوان شباب رہا ہو اور اس وقت بھی اپنی زیرکی، دانشمندی اور بالغ النظری کی بنا پر اپنے معاصر سن رسیدہ اہل الرائے اور اصحاب حل وعقد میں ممتاز ہو۔ ان کی دوسری توجیہ کے سلسلے میں برنی کا یہ قول کہ عین الملک اور اس کے بھائیوں کو عسکری تجربات اور جنگی تدابیر سے ناواقفیت تھی مبنی بر حقیقت نہیں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہی عین الملک فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ہمیں ملتان، بھکر اور سیوستان کا گورنر نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عسکری تدابیر اور جنگی امور سے نابلد شخص کو اتنے اہم منصب پر فائز کرنا غیر دانشمندانہ فعل ہوگا اور قیاس یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ فیروز شاہ تغلق جیسا کامیاب حکمراں جس نے ہندوستان اور اس کی رعایا کو امن و آشتی کے اڑتیس سال دیے، ایسے غیر دانشمندانہ فعل کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ملک الشرق شمس الدولہ والدین محمود بک کو لکھے گئے اپنے ایک مکتوب میں خود عین الملک ماہرو نے بیان کیا ہے کہ وہ سلطان کے بموجب حکم لشکر کی ترتیب میں مشغول ہے: چنانچہ

رقمطراز ہے کہ:

"بعد ازاں تشریفات فاخرہ و نوازش وافرہ بندہ را بتاریخ نہم ماہ شوال برصوب ملتان روانہ کردن فرمان داد و بتاکید فرمان شدہ تا بندۂ کمینہ دو ہزار و پانصد سوار بدو دفعت بمصاحبت مذکورین بدین اسامی ملک ہلال و قاضی برہان و ملک امیر کوہ نائب ملتان با بحر و اسباب دیگر روانہ کند۔ این کمترین بکشش و کوشش بست و نہم ماہ مذکور در ملتان رسید و بقدر قدرت و توانائی خود بہ ترتیب لشکر و بحر مشغول شدہ است۔"

(انشائے ماہرو، ص ۱۰۷)

ان اسباب و علل کی روشنی میں محض برنی کے بیان پر عین الملک ماہرو کو عسکری تجربوں سے نابلد شخصیت گمان کر لینا مناسب نہیں ہے، کیونکہ عسکری رموز سے ناآشنا شخص سے عساکر کی ترتیب کا کام لینا دانش و بینش کے خلاف ہے جس کی توقع سلطان فیروز شاہ تغلق سے بعید ہے۔ اس بنا پر ہمیں یہ قبول کر لینے میں کوئی تذبذب و تامل نہیں کہ عین الملک ملتانی اور عین ماہرو دونوں ایک ہی شخصیتیں تھیں۔

عین الملک ماہرو نے سلطان محمد بن تغلق کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور سلطان کی افواج کے ہاتھوں شکست اٹھائی اور گرفتار ہو کر سلطان کے سامنے پیش ہوا۔ سلطان نے اسے معاف کر دیا اور شاہی باغ کا نگراں مقرر کیا، بغاوت، معافی اور پھر شاہی باغ کے نگراں کی حیثیت سے تقرری کے اس ذکر کے بعد محمد بن تغلق کے عہد میں اس کا ذکر کہیں نظر نہیں آتا۔ لیکن جب فیروز شاہ تغلق سریر آرا ہوا تو اولاً اس نے عین الملک ماہرو کو مشرف ممالک مقرر کیا پھر خانجہاں مقبول سے اس کی نزاعی صورت حال کے تدارک کیلئے اسے ملتان، بھکر اور سیوستان کی گورنری تفویض کی۔

نہ تو عین الملک ماہرو کی ملتان کی گورنری سے سرفرازی کی تاریخ کا کہیں ذکر ملتا ہے اور نہ ہی کہیں یہ مذکور ہے کہ کتنی مدت تک اس نے اس منصب پہ فائز رہ کر اپنی خدمات انجام دیں۔ غالباً ملتان کی گورنری ہی اس کی حیات کا آخری منصب تھا جس پر بحال رہ کر اس نے سلطنت کی خدمات انجام دیں کیونکہ معاصر مآخذ میں اقطاعات ملتان، بھکر اور سیوستان کی تفویض کے بعد عین الملک ماہرو کا کوئی ذکر نظر نہیں آتا۔ موجود اطلاعات کے مطابق ۷۵۳ھ مطابق ۱۳۵۲ء میں عین ماہرو کو مشرف ممالک کا عہدہ تفویض ہوا اور ۷۶۰ھ مطابق ۱۳۵۹ء میں دوسری مہم بنگال پیش آئی بہ ۱۳۵۲ء میں مشرف ممالک مقرر ہونے کے کچھ دن بعد اسے ملتان کی گورنری عطا ہوئی۔ گویا ۱۳۵۳ء میں بہ حیثیت گورنر مقرر ہونا اگر فرض کر لیا جائے تو اپنے ایک مکتوب کے مطابق ۱۳۵۶ء تک تو ضرور عین ماہرو ملتان میں بحیثیت گورنر رہا۔ گمان اغلب ہے کہ دوسری مہم بنگال سے قبل اس کا انتقال ہو گیا اس طرح ۱۳۵۶ء اور ۱۳۶۰ء کے درمیان کسی سن میں ابن ماہرو کا انتقال ہوا۔

عین الملک کی علمی و ادبی بلند پایگی

جس طرح حکومت اور سیاست کے کاموں میں عین ماہرو مشہور، ممتاز اور ماہر تھا اسی طرح علمی اور ادبی حلقوں میں بھی بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ دراصل وہ نہایت عمدہ ادبی مذاق رکھتا تھا اور متداول علوم میں منفرد تھا۔ تاریخ، فقہ، تفسیر، سیر اور احادیث غرض تمام علوم متداولہ میں دسترس تھی اور سراج عفیف کی اطلاع کے مطابق محمد بن تغلق اور فیروز شاہ تغلق کے عہد فرمانروائی میں متعدد علمی و ادبی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے ایک "ترسیل عین الملک" ہے اور امتداد زمانہ سے بہ استثنا اس مجموعۂ ترسلات کے سبھی ناپید ہو گئیں۔ عین ماہرو کے علم کی گہرائی و گیرائی کا اندازہ اس کے منشآت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ رائج الوقت انشا نگاری کی نرگس شہلا

میں اس نے دل کش طرز تحریر اور انوکھی ادا کے کحل جواہر سے جاذب النظر صناعی کا جو دلکش و دلربا حسن جگایا ہے اس کی مثال مابعد کے منشیان زود آور کے یہاں کم یاب ہے

منشآت کی اہمیت | عین الملک نے اپنے منشآت کے شیوۂ تحریر میں عمومی طور پر فارسی زبان کے مترسلان کی طرز و روش اختیار کی ہے۔ مصنوع و مقرون کلام کی جلوہ آرائیاں ہیں اور عربی و فارسی اشعار و امثال بہ کثرت موجود ہیں۔ مکاتیب و مراسلات میں بہ استثنار دو کے کسی میں کوئی تاریخ مرقوم نہیں ہے جس سے مکاتیب کی ترقیم کی تاریخ کی تعیین کی جاسکے۔ ساتھ ہی بعض مکتوب الیہم نیز مذکور بعض اشخاص کی شناخت بھی امر لاینحل ہے۔

ان تمام مجموعی خامیوں کے باوجود بھی ماہرو کے یہ منشآت اس اعتبار سے ذی قیمت اور بیش بہا ہیں کہ ان میں اہم شہزادوں، سرکاری حکام و عمال، طائفۂ صوفیہ، خود عین ماہرو کے خانوادے کے بعض افراد عوام کے مختلف طبقات کے ساتھ حکومت کے طریق کار، زمانہ متعلقہ کی تہذیب و تمدن کا عکس، سرکاری محاصل اور ان کی شروح اور ایسی ہی دیگر معلومات سے متعلق اجمالی تفاصیل موجود ہیں۔

منشآت کی تعداد و اقسام | عین الملک ماہرو کے منشآت کی تعداد ایک سو چونتیس ہے جس میں مکاتیب، مناشیر، امثال اور عرضداشت وغیرہ شامل ہیں۔ ادبی لحاظ سے یہ منشآت خاص اہمیت کے حامل ہیں اور اس سے خلجی و تغلق عہد کی طرز تحریر و نگارش کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اس دور کے ہندوستان اور ایران میں فارسی نثر اگر ایک طرف سادگی و روانی سے مزین ہو رہی تھی تو دوسری طرف پرتکلف و تصنع اور مغلق تحریریں بھی لکھی جارہی تھیں۔ عین الملک ماہرو نے اسی مصنوع اور مشکل پسند طرز کو اختیار کیا اور اسی میدان میں جولانی طبع دکھائی۔ منشآت ماہرو سے عین الملک ماہرو کے علم و فضل کا اندازہ

ہوتا ہے جس میں دقیق الفاظ، رقیق معانی، عمیق افکار، مناسب ترکیبوں اور فقروں کی بندش دلچسپی کا قابل دید منظر نظر آتا ہے۔

عین الملک کے مکاتیب کا انداز | عین الملک کے مکاتیب کا آغاز عموماً استعارہ و تشبیہ لیے ہوتا ہے، وہ اس امر کی کامیاب سعی کرتا نظر آتا ہے کہ جو استعارات و تشبیہات بھی استعمال کی جائیں وہ کسی نہ کسی زاویے سے مکتوب الیہ کے نام یا اس کے عہدے وغیرہ سے مماثلت رکھتی ہوں، لیکن جب وہ سلطان یا کسی اعلیٰ عہدیدار کو مکتوب لکھتا ہے تو اس کا انداز یکسر بدل جاتا ہے اور سنجیدگی و متانت اس کے دامن قلم کو تھام لیتی ہے۔ عین الملک نے اپنے مکاتیب و مراسلات میں مکتوب الیہ کے شایان شان القاب استعمال کیے ہیں جو اپنے انتخاب، وزن اور معنویت کے اعتبار سے بڑے جاذب نظر ہیں لیکن کہیں کہیں ثقالت نے ان القاب کے حسن کو دوبالا کرنے کے بجائے ان میں بھدا پن پیدا کر دیا ہے۔

القاب اور کلمات دعا و سلام کے بعد اکثر و بیشتر مکاتیب میں اس نے مکتوب الیہم سے فرقت و جدائی اور ہجر و دوری کا بیان بڑے شاعرانہ انداز میں کیا ہے۔ اظہار مدعا کے لیے موزوں الفاظ کا انتخاب اور مناسب طرز ادا و انداز تخاطب اختیار کرتا ہے اور اظہار کیفیت و حال کے لیے استعاراتی اور تشبیہاتی پیرایہ اور موزوں و مناسب چیزوں سے تمثیل دے کر واقعی جاذبیت و اثر پیدا کر دیا ہے۔ لیکن کبھی کبھی اظہار اشتیاق اور وفور شوق میں عین الملک کا قلم اتنا از خود رفتہ ہو جاتا ہے کہ تصنع اور مبالغے کا شائبہ نظر آنے لگتا ہے۔

اشتیاق ملاقات کے اظہار کے بعد مکتوب کا اصل موضوع شروع ہوتا ہے اور پھر مکتوب الیہ سے عموماً سلسلۂ مراسلت و مکاتبت برقرار رکھنے اور تلطف و عنایات کا سلسلہ

قائم رکھنے کی گزارش کے بعد مکتوب الیہم کے لیے دعائیہ کلمات اور فقروں پر مکاتیب منتہی ہوتے ہیں۔

منشآت عین الملک بلاغت کا بہترین نمونہ ہیں اور ان میں مختلف ادبی صنعتیں مثلاً سجع، تشبیہ و استعارہ، اشتقاق، مراعات النظیر، تنسیق الصفات اور ایہام وغیرہ کا استعمال فنی انداز میں کیا گیا ہے۔ اس کے مکاتیب میں مطائبات کی جھلک بھی نظر آتی ہے چنانچہ سید شمس الدین جھجو کو لکھے گئے مکتوب میں مطائبہ بدرجۂ اتم موجود ہے اور مکتوب الیہ کے افکار کو کنواری لڑکیوں اور اس کے منشآت کو لڑکیوں اور دلہنوں سے تشبیہ دیتے ہوئے خود کو ملاقات کی دلہن کا شوہر قرار دیا ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہے کہ:

"تا چہرۂ خاتون فیروزہ بہ طرۂ رواج وغیرۂ صباح آراستہ خواہد بود و عروس مشتاقان از متق خاوری روی عالم افروز خواہد نمود، ذات آن شہسوار مضمار بلاغت اعنی سید شمس الدین جھجو کہ ابکار افکار و بنات منشآت قلم گوہر نثار او بہ درر معانی دقیق و غرر الفاظ رقیق آراستہ است بہ عروس مراد فیروز باد بحق من قال "وخلق منہا زوجہا" خاطب عروس ملاقات اخوی عین ماہرو۔۔۔" (انشائے ماہرو، ص ۸۳)

عین الملک ماہرو کے مکاتبات و منشآت میں بعض جگہ لاطائل تطویل بھی نظر آتی ہے محض تحسین و تزئین کے لیے طولانی جملوں کا استعمال کبھی کبھی عبارت کو بوجھل کر دیتا ہے اور مفاہیم و مطالب کے ادراک میں قاری کو بے وجہ زحمتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

آیات، احادیث، اشعار و امثال و حکم

عین ماہرو کے یہاں اشعار و امثال و حکم کا استعمال بھی لائق اعتناء ہے۔ کلام میں زور و اثر پیدا کرنے کی غرض سے اس نے بکثرت عربی و فارسی اشعار و امثال و حکم کا استعمال بھی عربی ضرب الامثال و اقوال وغیرہ کا امتزاج اس خوبی سے

کیا گیا ہے کہ کہیں کہیں قاری کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ کب فارسی متن سے عربی کلمات و فقروں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے استشہاد سے عین الملک کے منشآت بھرے پڑے ہیں اور اتنا نپا تلا اور چست و درست استشہاد کیا گیا ہے کہ خوانندہ انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ یہ استشہاد عین الملک کی عربی دانی بلکہ عربی زبان پر اس کی کامل دسترس کی دلیل ہیں اور عمق نظر، گیرائی افکار، دور اندیشی اور برمحل و مناسب فطانت کی آئینہ دار بھی ہیں۔ عین الملک کو نثر کی نظم میں تلفیق کا بھی ملکہ حاصل تھا۔ اپنے مدعا کو نثر میں بیان کرنے کے بعد عموماً وہ برمحل اشعار کے ذریعہ ان مقاصد و مدعا کے بیان میں زور پیدا کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ عین ماہرو کے مراسلات و منشآت مرصع، مسجع، مزین، مقرون باطناب و ایراد اور صناعات ادبی کا مظاہرہ ادبیت میں بڑا نمایاں اور ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ الفاظ کے نادر انتخاب اور جائے استعمال، بندشوں کی چستی، ترکیبوں کی جزالت، مرادفات کی سلاست، تضادات کی روانی، استعارات و اشتقاق کی سحر کاری، مراعاۃ النظیر، تنسیق الصفات اور سیاقۃ الاعداد کی افسوں نگاری، ایہام و مبالغہ اور براعت الاستہلال کی دلکشی، ذو رعایت و مطائبہ کی لذت و چاشنی، تلفیق نثر بنظم کی جولانی، تمثل و استشہاد کی فراوانی اور القاب و عناوین کے نفیس انتخاب۔ غرض عین الملک ماہرو کے منشآت تمام ادبی خصوصیات اور خوبیوں کا مجموعہ ہیں۔

تاریخی، سیاسی، تہذیبی اور معاشی تعلیمات

منشآت میں تاریخی، سیاسی، تہذیبی و ثقافتی، معاشرتی نیز معاشی اعتبار سے بھی منشآت عین الملک لائق اعتناء ہیں۔ سیاسی و تاریخی نقطۂ نگاہ سے

عین ماہرو کی منشآت کا مطالعہ عہد علائی سے لے کر عہد فیروزی تک کی ایک اجمالی تاریخ کا خاکہ سامنے لاتا ہے۔ تاریخی حیثیت سے بعض مہمات وقائع کا ذکر بھی ملتا ہے اور اربابِ حل وعقد کے مناصب اعلیٰ پر سرفرازی کا علم بھی ہوتا ہے۔ منشآت ماہرو میں مذکور بعض شخصیات تاریخی حیثیت سے اتنی مبہم اور غیر واضح ہیں کہ مزید تفصیل کے بغیر ان کی شناخت ممکن نہیں ہے۔ تاریخی اعتبار سے منشآت عین الملک میں ایک سقم یہ ہے کہ اس میں دو کے علاوہ کسی مکتوب کی تاریخ ترقیم کا اندراج نہیں ہے۔
اول فیروز شاہ تغلق کے حضور لکھی گئی ایک عرضداشت جو اوقاف ملتان سے متعلق موضوع پر ہے اور جس کی تاریخ ترقیم ۱؍صفر ۷۶۳ھ درج ہے۔ دوسرا مکتوب جو اپنے بیٹے کریم الدین کو لکھا ہے، اس میں مکتوب الیہ کے بیٹے یعنی اپنے پوتے کے تولد کی تاریخ ۲؍ذیقعدہ ۷۵۵ھ درج کی ہے۔ ان کے علاوہ ایک اور مکتوب میں صرف تاریخ کا ذکر نظر آتا ہے جو محمود بک کو لکھا گیا ہے اور جس میں یہ مذکور ہے کہ ۹؍شوال کو ملتان کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے سلطان کے بموجب حکم روانہ ہوا اور ۲۹؍شوال کو ملتان پہنچا۔ اس مکتوب میں اگر سن کا ذکر بھی موجود ہوتا تو محققین کے لیے بہت سے ابہام بآسانی دور ہوجاتے۔ منشآت عین الملک میں مختلف سلاطین دہلی کے دور کی بغاوتوں کا بھی ذکر ملتا ہے اور خود سلاطین کی بعض مہمات نیز افغان پور میں عمارت کے انہدام کے سبب غیاث الدین تغلق کی موت واقع ہوجانے کا ذکر بھی دستیاب ہے۔ یہ اطلاعات تاریخی اور سیاسی اعتبار سے خاصی اہم ہیں اور براہ راست اطلاع کی بنیاد پر لائق اعتبار و استناد ہیں۔
منشآت عین الملک سے بہت سے معاشی پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے اور

اس دور کی تہذیب و ثقافت و معاشرت اور رسوم و رواج کا بھی ذکر ملتا ہے۔ متعدد خطوط میں عین الملک نے ملتان کی معاشی صورت حال، غلوں کے نرخ، اپنے پیشرو حکام و عمال کی بدعنوانیوں کے نتیجے میں رعایا اور مخلوق کی بدحالی اور خزانۂ ملتان کے خالی ہوجانے کا ذکر کیا ہے، خراج و محاصل کی شرحیں، خیاطوں کی اجرت اور اسی قبیل کی بہت سی اطلاعات پیش کی گئی ہیں۔
مختصر یہ کہ عین الملک کے منشآت کا یہ مجموعہ اواخر ہفتم اور اوائل ہشتم صدی ہجری کی فارسی انشاء کا اچھا اور بہترین نمونہ ہے جو ادبی حیثیت سے بلند پایہ اور عظیم کارنامہ ہے، اس کے علاوہ وہ تاریخی نقطۂ نگاہ سے بھی خاصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کے توسط سے ہمیں امراء، ملوک، خواتین، ولاۃ و رجالِ دولت، علماء، فقہاء، صوفیۂ اولیاء اور سلطنت دہلی کے دیگر مشاہیر کے سلسلے میں بیش قیمت اور گرانقدر اطلاعات دستیاب ہوتی ہیں۔

لفظ نسناس کی تحقیق

از عمیر الصدیق دریابادی ندوی

گذشتہ دنوں کلکتہ کے ایک سفر میں وہاں کے مشہور صاحب علم اور حاذق طبیب جناب مولانا حکیم محمد زماں حسینی صاحب کی خدمت میں حاضری کی سعادت میسر آئی، وہ پیرانہ سالی کے علاوہ دوسرے گوناگوں عوارض اور فالج میں مبتلا ہیں، جس سے ان کے روزمرہ کے معمول پر اثر پڑا ہے لیکن مطالعہ و تحقیق اور علمی مشاغل اس حالت میں بھی جاری ہیں، قاسمی دواخانہ میں ان کی نشست کے اردگرد تفسیر و حدیث اور فقہ و تاریخ کی امہات کتب اور مولانا کی عالمانہ گفتگو، اکابر سلف کی مجلسوں کی یاد تازہ کردیتی ہے۔

ایسی ہی ایک نشست میں انہوں نے فرمایا کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مناجات مقبول میں عربی کا ایک منظوم درود ہے، مولانا تھانوی نے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے، اس میں ایک شعر یہ ہے:

صل یارب علی صاحب شرع حسن   فرق الناس متی جاء من النسناس

ترجمہ یہ ہے: رحمت بھیج اے پروردگار اچھی شریعت والے پر، جنھوں نے بھلے آدمیوں کو برے آدمیوں سے متمیز کیا۔

قریب چالیس سال سے یہ نعتیہ درود، وردِ زبان ہے لیکن لفظ نسناس کے متعلق جستجو اب ہوئی، چند دستیاب کتابوں مثلاً دمیری کی حیات الحیوان سے مراجعت کی تو

معلوم ہوا کہ یہ لفظ کسی مجموعہ احادیث میں بھی وارد ہوا ہے، از راہ شفقت انہوں نے مزید تحقیق کا حکم دیا، چنانچہ اور کتابوں اور لغات کے حوالہ سے جو کچھ معلوم ہوا اس کو دلچسپی کے خیال سے یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

نسناس کے متعلق زیادہ تفصیل شیخ کمال الدین دمیری متوفی ۸۰۸ھ کی کتاب حیاۃ الحیوان الکبریٰ ہی میں ملتی ہے، اس میں گویا پیش رو علماء و محققین کی آراء و تحقیقات کی تلخیص کردی گئی ہے، مثلاً المحکم ابن سیدہ کے حوالہ سے بتایا گیا ہے کہ نسناس انسانی شکل کی مانند ایک مخلوق ہے اور ضعف خلقت کی وجہ سے یہ لفظ ناس سے مشتق ہے جوہری کی صحاح کے حوالہ سے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ ایسی مخلوق ہے جو ایک پیر والی ہے اور پھدک پھدک کر چلتی ہے، مشہور مورخ مسعودی کا یہ بیان بھی نقل کیا گیا ہے کہ یہ انسان کے مانند ایک جانور ہے جس کی صرف ایک آنکھ ہوتی ہے اور یہ پانی سے نکلتا ہے، باتیں بھی کرتا ہے اور آدم خور ہے: زکریا قزوینی کی یہ عبارت بھی دی گئی ہے کہ یہ ایک خاص قوم ہے جس کا بدن، سر اور ہاتھ پیر یعنی انسان کے اعضاء کا نصف ہوتا ہے گویا یہ نصف انسان ہے، یہ عربی زبان بولتا ہے اور اس کا شکار بھی کیا جاتا ہے، دمیری کی یہی تفصیلات ان کے ہم عصر علامہ مجد الدین فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے اپنی القاموس المحیط میں نقل کی ہیں اور انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ نسناس کے ہاتھ پیر بندروں کی ایک قسم سے مشابہ ہیں اور یہ پرندوں کی طرح اچھلتا ہے لمبی چھلانگ بھی لگاتا ہے اور مویشیوں کی طرح گھاس بھی چرتا ہے، انھوں نے یہ بھی لکھا کہ اب یہ نسل ختم ہوچکی ہے، لیکن قریب قریب اس کے مشابہ ایک اور مخلوق موجود ہے، اس کی تین قسمیں ہیں، ناس، نسناس اور نسانس، موخرالذکر دراصل نسناس کے مادہ جانوروں کو کہا جاتا ہے اور ان کو نر سے زیادہ قیمتی کہا جاتا ہے،

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ یاجوج ماجوج ہیں، اس تفصیل کے ساتھ قاموس کے حاشیہ میں چند اور وضاحتیں بھی ہیں مثلاً نسناس کا شکار کیا جاتا ہے اور اس کا گوشت کھایا جاتا ہے، ابن الرقیش کا یہ قول بھی ہے کہ یہ سام بن سام کی اولاد سے ہیں جو عاد و ثمود کے بھائی تھے، ان کے عقل نہیں ہوتی اور یہ جھاڑیوں میں رہتے ہیں، بحر ہند کے ساحلی علاقے ان کا مسکن ہیں، عرب ان کا شکار کرتے ہیں، ان سے باتیں بھی کرتے ہیں، ان مختلف اور متضاد اقوال میں سب سے زیادہ دلچسپ یہ قول ہے کہ نسناس عربی زبان بولتے ہیں اور اس میں شاعری بھی کرتے ہیں، وہ اپنے نام بھی عربوں کے سے رکھتے ہیں، چنانچہ ابو حامد غرناطی نے تاریخ صنعاء کے ایک تاجر کا ذکر کیا ہے، جس نے ایک نسناس کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سُنا تھا:

مررت من خوف السراة شدا　　اذلم اجد من الفرار بدا
قد کنت قدما فی زمانی جلدا　　منها انا الیوم ضعیف جدا

(تحفۃ الالباب ص ۴۶-۴۴)

قریب چار سو سال کے بعد القاموس المحیط کے شارح علامہ زبیدی (ت ۱۲۰۵ھ) نے تاج العروس میں ان معلومات کو نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ نسناس جزائر چین میں پائے جاتے ہیں، یہ بھی لکھا کہ یہ یمن کی ایک مخلوق ہے۔

ان عجیب وغریب، ناقابلِ یقین اور متضاد و مخالف رایوں اور اندازوں نے واقعتاً نسناس کو پُراسرار بنا دیا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عرب، زمانۂ قدیم سے اس لفظ سے واقف اور مانوس تھے، ان کی شاعری میں نسناس کا ذکر عام ہے چنانچہ ایک شاعر حافظ نے کمیت گھوڑے کے متعلق ایک شعر کہا کہ:

فما الناس الا تحت خب نعالهم　　ولو جمعوا نسناسهم والنسانسا

ابو حامد غرناطی اندلسی کی کتاب تحفۃ الالباب عجائب وغرائب عالم کے بیان میں بڑی دلچسپ ہے، اس نادر کتاب کو پیرس سے فرانسیسی زبان کے حواشی و تعلیقات کے ساتھ شایع کیا گیا ہے، اس میں نسناس کے متعلق مشہور شاعر الاعشی کے یہ اشعار نقل کیے ہیں:

الم تروا ارما وعادا　　افناهم اللیل والنهار
واهلکت من بعدهم ثمود　　بما جنی فیهم قدار
وحل بالحی من جیی　　یوم من الشر مستطار
وجاسم بعدها وطیس　　قد اوحشت منهم الوبار
ومسخت بعدهم وبار　　فلا صحار ولا وبار

(تحفۃ الالباب، مطبوعہ پیرس، ص ۴۶-۴۴)

ان اشعار میں وبار کے لفظ کے متعلق صاحب تحفۃ الالباب لکھتے ہیں کہ یہ صنعاء کے قریب کی ایک مسخ شدہ عرب قوم ہے، یہ ارم بن سام برادر عاد و ثمود کی اولاد سے ہیں، اور بحر ہند کے کنارے بلاد شحر یا سحر میں بھی رہتے ہیں۔

شعراء کے علاوہ ادیبوں کے ہاں بھی لفظ نسناس نامانوس نہیں، ابوعثمان عمرو بن الجاحظ متوفی ۲۵۵ھ نے اپنی کتاب الحیوان میں انسان، ملائکہ اور جن کی مخلوط اولاد کا دلچسپ اور افسانوی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ملکہ سبا بلقیس اور ذوالقرنین اس کی مثالیں ہیں، یہ بھی لکھا ہے کہ جن وانس کے درمیان کبھی کبھی مناکحت واقع ہوتی ہے، اسی بحث میں نسناس کا بھی ذکر ہے کہ یہ مخلوق بھی انسان اور دوسری مخلوقات سے

مرکب ہے چنانچہ جاحظ نے بندروں کی ایک قسم شق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ زعموان النسناس ترکیب مابین الشق والانسان اسی بحث میں یہ بھی بتایا گیا کہ سد سکندری کے اس پار ایک ایسی مخلوق ہے جو نسناس اور ناس اور شق اور یاجوج و ماجوج سے مرکب ہے (کتاب الحیوان، جاحظ، مطبوعہ مصر، ص ۸۷)

امام زکریا قزوینی کی کتاب عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات مطبوعہ مصر اپنے موضوع پر نہایت دلچسپ کتاب ہے، انہوں نے بھی عربوں میں اسی قسم کے افسانوی مخلوقات کا بہ تفصیل ذکر کیا ہے، مثلاً بحری انسان جو بجز اپنی دم کے مکمل انسانی شکل و ساخت رکھتا ہے، انہوں نے ایک روایت نقل کی ہے کہ بحر شام میں سمندر سے اس قسم کا انسان اکثر ظاہر ہوتا تھا، لوگوں نے اس کو شیخ البحر کا نام دیا تھا، اسی طرح ایک اور بحری انسان ایک بادشاہ کے پاس لایا گیا جس نے اس کی شادی ایک عورت سے کر دی، جو بچہ پیدا ہوا وہ ان دونوں کی زبان سمجھتا تھا، ایک بار اس لڑکے نے اپنے سمندری باپ کی یہ بات نقل کی کہ تمام حیوانات کی دم ان کے حصہ زیریں میں ہوتی ہے لیکن ان انسانوں کی دمیں ان کے چہرے پر ہوتی ہیں، مابال ہولاء اذنا نھم علی وجوھم، علامہ قزوینی نے ان مخلوقات میں نسناس کا بھی شمار کیا ہے۔ (عجائب المخلوقات، ص ۴۰۳)

نسناس کے متعلق کہا گیا کہ حدیث شریف میں بھی ان کا ذکر آیا ہے کہ یہ عاد کا ایک قبیلہ تھا جس نے اپنے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر کے نسناس بنا دیا، لیکن تلاش بسیار کے بعد بھی صحاح ستہ، مسند احمد بن حنبل، موطا امام مالک اور مسند دارمی میں یہ حدیث نہیں ملی، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر میں اس کا ذکر ہے لیکن بغیر کسی سند کے، البتہ اسی النہایہ میں حضرت ابوہریرہؓ کا یہ قول موجود ہے کہ ذھب الناس وبقی النسناس لیکن یہی قول ابونعیم اصبہانی کی حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منسوب ہے کہ ذھب الناس

وبقی النسناس، قیل وما النسناس قال الذین ھم یتشبھون بالناس ولیسوا بالناس، یعنی انسان نہیں رہے نسناس رہ گئے، پوچھا گیا کہ نسناس کون، فرمایا وہ جو انسانوں سے مشابہت رکھتے ہیں لیکن انسان نہیں ہوتے۔

فقہاء نے اسی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے کہ یہ قوم اب معدوم ہے، کیونکہ مسخ شدہ قوم تین دنوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتی، لیکن اگر یہ سمندری مخلوق ہے تو رویانی وغیرہ نے اس کے گوشت کی حلت کا حکم دیا لیکن ابوحامد اسفرائنی کا قول ہے کہ اس کا گوشت انسان کے لیے جائز نہیں کیونکہ بہر حال وہ بنی آدم کی خلقت کے مشابہ ہے۔ یہی قول مشہور شافعی فقیہ قاضی ابو الطیب طبری کا ہے۔ (حیاۃ الحیوان، دمیری، ص ۴۹۷)

لیکن اس دلچسپ بحث میں قول فیصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ نسناس کے اصل معنی وہی مراد لیے جائیں جن کا ذکر صاحب تاج العروس نے کیا ہے کہ وقیل النسناس السفلۃ والارذال یعنی نسناس کمینہ فطرت اور رذیل کے معنی میں ہے اور عربوں میں اس کا ذکر اگر شائع و ذائع رہا تو اسی معنی میں، ذھب الناس وبقی النسناس بھی اس معنی میں ایک مثل کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ اس کی تائید ہم کو مجمع الامثال سے ملی، جس میں علامہ میدانی متوفی ۵۱۸ھ نے امثال عرب میں اس ضرب المثل کو نقل کیا (ج ۱ ص ۱۹۳)

باقی عاد و ثمود سے اس کے تعلق کی روایات کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حقیقت ہے کہ عرب جس طرح ہر نادر تعمیر کی نسبت حضرت سلیمانؑ سے کرتے تھے اسی طرح ہر قدیم کو عاد سے منسوب کیے جانے کی بھی ان کی عادت تھی، جیسا کہ ابو محمد بن داؤد ہمدانی متوفی ۳۳۴ھ نے اکلیل میں لکھا ہے کہ العرب ینسبون کل مستطرف من البناء الی سلیمان بن داؤد علیہ السلام کما ینسبون کل قدیم الی عاد (ج ۸، ص ۱۳۵)

معارف کی ڈاک

مکتوب لاہور

۱۱ر اکتوبر ۱۹۹۷ء

مکرمی و محترمی جناب اصلاحی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ   مزاج شریف

گرامی نامہ نے سرفراز کیا، اسی کے ساتھ ستمبر کا شمارہ ملا۔ معارف ہر ماہ باقاعدگی سے ملتا رہتا ہے، اس کے لیے شکریہ قبول فرمائیں۔

شامی صاحب کے مضمون میں ایک سطر لکھنی بھول گیا تھا وہ یہ ہے کہ "آپ کی نسل کے افراد شیخ قانون گو کہلاتے ہیں اور تقریباً سب ملازمت پیشہ ہیں اور آج کل بھی معزز مناصب پر فائز ہیں"۔

ترکوں سے متعلق یہ خبر بھی ہمارے لیے ایک المیہ سے کم نہیں کہ اب ترک اسلامیت سے برگشتہ ہوکر سیکولرازم (لادینیت) کے راستے پر گامزن ہیں۔ اس کے برعکس مسلمانان پاکستان و بھارت اسلام سے رشتے کی بنا پر ترکوں کی محبت و ہمدردی سے سرشار رہے ہیں۔ گذشتہ صدی میں جنگ ہائے روس و شام، یونان و روم کے مواقع پر ہماری تمام تر ہمدردیاں ترکوں سے رہی ہیں۔ ہماری مسجدوں میں نمازوں کے بعد ترک افواج کی فتح مندی کے لیے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔

تحریک خلافت، خلافت عثمانیہ کی بحالی اور ترکوں کی آزادی کے لیے تھی۔ اس کے لیے

ہمارے علماء و صلحاء سیاسی زعماء و قومی کارکنوں نے مال و جان کی قربانیاں دیں، قید و بند کی مصیبتیں اٹھائیں، جائیدادیں ضبط کرائیں اور ملازمتوں سے محروم ہوئے پھر بھی وہ ترکوں سے محبت اور ہمدردی سے دستکش نہ ہوئے۔ اب ہمارے لیے یہ خبریں اندوہناک اور افسوسناک ہیں کہ ترکوں نے عالم اسلام کو نظرانداز کر دیا ہے یورپ کی طرف منھ کرلیا ہے اور سیکولرازم (لادینیت) کو اپنا لیا ہے۔

اب تازہ خبر یہ ہے کہ موجودہ ترک حکومت دینی مدارس کو بند کر رہی ہے۔ اناللہ الخ .... دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ترکوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت دے اور انہیں اسلام اور عالم اسلام کے ساتھ دوبارہ رشتہ جوڑنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تاریخ التراث العربی (تاریخ و ثقافت) کا ترجمہ چھپ رہا ہے اس کی ایک جلد جلد ہی آپ کے ملاحظہ کے لیے بھیجوں گا۔

نیازمند: شیخ نذیر حسین

مکتوب لکھنؤ

۶ر اکتوبر ۹۷ء

مکرمی و محترمی! سلام مسنون

ستمبر کے معارف میں کتابوں کی ناجائز طباعت پر جس انداز سے تشویش کا اظہار کیا اس سے اندازہ ہوا کہ آگے کی سطروں میں کوئی تحریک یا مسئلہ کا حل تجویز فرمائیں گے اس لیے کہ یہ مستقل کاروبار ہے جس نے مصنفین اور بعض ناشروں کو سخت اذیت اور مالی نقصان سے دوچار کر رکھا ہے یہ صرف اردو مصنفین کے ساتھ نہیں دوسری زبانوں کے ساتھ بھی ہو رہا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ قانونی مشکلات اس راہ میں حائل ہیں جس نے لوگوں کو جری کر دیا ہے، ڈیڑھ دو سو روپے کی کتاب ۵۰ میں بکنے لگے ۵۰ کی کتاب ۲۰ میں بکنے لگے اس میں دیندار کتب فروش سب سے زیادہ جری ہیں ایسے لوگ دہلی، دیوبند اور لکھنؤ میں زیادہ جری ہیں، تحقیق کرکے انکی فہرست شایع کرنا چاہیے اور مستقل مہم چلانی ہے ورنہ یہ کینسر یونہی پھیلا رہے گا۔

والسلام: احقر مشتاق

ادبیات

غزل

از ڈاکٹر ابرار اعظمی

مری متاعِ نظر، میری منتہائے نظر — ترا تصور عالی، تری علائے نظر
مرا فریب نظر تھا کہ نقطہائے نظر — قدم قدم پہ ملے مجھ کو نقش پائے نظر
نظر جھکی تو تری دید کا نظارہ تھا — نظر اٹھی تو ہر اک سمت آشنائے نظر
نظر بس ایک ہی کافی ہے گر ہو اہل نظر — نظر، نظر نہیں گر ہو اعادہ ہائے نظر
یہ تیری تشنہ لبی ہے مآل کم نظری — بھرے ہیں ساغر و مینا، ہٹا ردائے نظر
یہ بزم کون و مکاں اور تیری جلوہ گری — سلیقہ شرط، یہی کچھ ہے مدعائے نظر
یہ میرا حسن نظر ہے کہ تو ہے جلوہ فگن — کہ صرف پرتو نیکوں ہے یا صدائے نظر
میں نہیں، مرا دیں ہے تری نظر کا اسیر — تو ہی بتا یہ سزا ہے کہ جزائے نظر!

غزل

از جناب وارث ریاضی صاحب، چمپارن

جگن ناتھ آزاد کی ایک غزل سے متاثر ہو کر جو اسی زمین ہے۔

مری آنکھوں سے اشکِ غم کی طغیانی نہیں جاتی — کسی صورت جنوں کی حشر سامانی نہیں جاتی
خدا جانے یہ بزمِ خم ہے یا گہوارۂ جنت؟ — حقیقت گلشنِ ہستی کی پہچانی نہیں جاتی
خوشی کے دن بہ آسانی گزر جاتے ہیں دنیا میں — مگر کوئی مصیبت بھی بہ آسانی نہیں جاتی
وہاں سے ہو کے کوئی ایک ہی پل میں چلا آیا — جہاں پروازِ فکرِ نوعِ انسانی نہیں جاتی
زمیں بدلی فلک بدلا، ہزاروں انقلاب آئے — نہ جانے کیوں تری خوئے ستم رانی نہیں جاتی

الٰہی! گلشنِ کون و مکاں تو جاوداں کر دے — "دلوں سے آرزوئے عالمِ فانی نہیں جاتی"[1]
تری چشم کرم کی آس ہے کچھ اس طرح یارب! — مرے دل سے متاعِ ذوقِ عصیانی نہیں جاتی
مئے مغرب سے تو نے جامۂ احرام کو بیچا — مگر اے شیخ! تیری پاک دامانی نہیں جاتی
مری جاں! داستانِ دردِ دل کہنے سے کیا حاصل — کہ دل کی بات محفل میں تری مانی نہیں جاتی
رہے جو مدتوں ہمراہ ممنونِ کرم بن کر!! — انہیں سے اب مری آواز پہچانی نہیں جاتی
وہی امراض ہو جاتے ہیں یکسر لا دوا اکثر — طبیبوں سے علامت جن کی پہچانی نہیں جاتی

خرد کی حکمرانی ہر طرف دنیا میں ہے وارث
مگر مجھ سے مری طفلی کی نادانی نہیں جاتی

بہ یاد صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم

از ڈاکٹر محمد حسین فطرت بھٹکلی۔

وہ شہسوار قلم وہ مورخ اعظم — گہر فروش و چمن در بغل تھا جس کا قلم
قلم نے جس کے "معارف" کو لالہ زار کیا — ہر ایک صفحۂ زریں کو مشکبار کیا
عجب تھی ندرتِ تحریر کی فسوں کاری — ہے یاد خامۂ معجز نما کی گل باری
وہ تیری جدت تحریر یاد آتی ہے — تری وہ شوخیٔ تحریر یاد آتی ہے
ترے بیان میں اخلاص کی حرارت تھی — گداز و سوز کا معدن تری طبیعت تھی
مری زبان پہ رہتی ہے مغفرت کی دعا — عطا کرے تجھے جنت خدائے ارض و سما
ترا تصورِ رنگیں متاعِ فطرت ہے — عجیب چیز گداز و خلش کی نعمت ہے

---

[1] پروفیسر جگن ناتھ آزاد کی غزل کا مصرع۔

مطبوعات جدیدہ

ہجرہ ان اسلام (HIJRAH IN ISLAM) از ڈاکٹر ظفر الاسلام

خان، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، صفحات ۳۰۰، قیمت درج نہیں، پتہ:

PHAROS MEDIA AND PUBLISHING (P) LTD، ڈی-۸۴

ابوالفضل انکلیو-۱، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵۔

گو ترک وطن اور مہاجرت کے نقوش انسانی تاریخ میں زمانہ قدیم سے ملتے ہیں، لیکن تاریخ اسلام میں ہجرت ایک مہتم بالشان واقعہ ہے، جس کے مذہبی اور سماجی دونوں لحاظ سے دوررس اثرات مرتب ہوئے، یہ شریعت میں ہجرت اوصاف اور ہجرت اوطان سے عبارت ہے، ان میں اول الذکر ہی اصل ہجرت ہے یعنی ممنوعات و منہیات کا ترک اور اوامر کی بجا آوری۔ رہی ہجرت اوطان یعنی اپنے ملک و وطن کو خیرباد کہہ کر کسی اور علاقے میں توطن اور بود و باش تو اسکی کئی قسمیں ہیں جن کی تفصیل قرآن و حدیث اور فقہ و تاریخ میں جابجا موجود ہے، لائق مصنف نے ان کو مد نظر رکھ کر یہ کتاب بڑی محنت اور سلیقہ سے مرتب کی ہے، یہ دراصل فاضل مولف کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جس پر مانچسٹر یونیورسٹی نے ان کو ڈاکٹریٹ کی سند تفویض کی ہے وہ اردو عربی اور انگریزی کے معروف اہل قلم ہیں، جن کا مطالعہ وسیع اور نظر عمیق ہے، کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے، اس کے لغوی و اصطلاحی مفہوم اور قرآن و حدیث و فقہ میں اس کے ذکر و حکم کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ متقدمین و متوسطین اور عہد آخر کے مفسرین و فقہاء و علماء کے آراء

و افکار کا عطر و خلاصہ آگیا ہے اور ہر باب کے آخر میں اس کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے ہجرت کے وجوب و استحباب اور منسوخ ہونے کے متعلق جمہور اہل سنت کی ترجمانی میں مسالک و ممالک کے اختلاف فکر و نظر کے باوجود ان کا قلم جادۂ اعتدال سے نہیں ہٹا، مثلاً پہلے باب میں قریباً ۶۶ مفسرین کی تشریحات کو بیان کرنے کے بعد انہوں نے صرف یہ کہا کہ اکثر مفسرین کے تصور ہجرت میں یہ پہلو ہی مشترک ہے کہ ایک مسلمان کو ایسی جگہ نہیں رہنا چاہیے جو موجب ابتلاء و فتنہ ہے جہاں جسمانی ضرر کا یقین ہو، فقہاء کے باب میں نسبتاً زیادہ بسیط بحث کا بھی یہی خلاصہ انہوں نے بے کم و کاست بیان کر دیا، پانچواں باب خاص طور پر قابل ذکر ہے، جس میں ہجرت کے انقلابی تصور کا جائزہ لیا گیا ہے اور عہد جدید کے بعض اہم علماء و مصلحین جیسے عبدالقادر جزائری، سید احمد شہید، مہدی سوڈانی اور محمد السنوسی وغیرہ کے تصور ہجرت کو موضوع بنایا گیا ہے، لغات و کتابیات کے ضمیموں کے علاوہ دارالحرب، دارالامن، دارالکفر اور دارالاسلام کے متعلق بھی ایک بڑا مفید حصہ بطور ضمیمہ شامل کیا گیا ہے، چند ایسے چارٹ بھی ہیں جن پر ایک نظر ڈالتے ہی علماء و فقہاء کے خیالات کا اندازہ ہو جاتا ہے، بعض مقامات پر فاضل مصنف نے اپنے خیالات کا اظہار جات سے کیا ہے، مثلاً سنہ ۱۹۲۰ء میں ہندوستان کی تحریک ہجرت کے متعلق انہوں نے لکھا کہ یہ ہجرت کے استعمال کی غلط مثال تھی، جہاں قیادت نے عملاً اس سے گریز کیا لیکن عام مسلمانوں کو اس سے ابتلا میں مبتلا کر دیا گیا، اور نتیجہ میں قیادت کا اعتبار جاتا رہا، البتہ اس کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد کو مطلق ذمہ دار قرار دینا درست نہیں، وہ یقیناً تصور ہجرت کے موید تھے، لیکن بعض شروط و قیود کے ساتھ، جن کے متعلق اب واضح ہو چکا ہے کہ ان کا خیال نہیں رکھا گیا۔۔۔ تبلیغی جماعت

(الار)

کے نظریہ ہجرت کے متعلق انہوں نے لکھا کہ اصل اور اولین مآخذ میں اس کی بنیاد نہیں ملتی ہے، مولانا امین احسن اصلاحی کو پاکستان کا غیر مقبول عالم لکھنا بے جا اور غیر ضروری ہے

مولانا غلام رسول مہر اور پاکستان اسکیم

از جناب پیر علی محمد شاہ راشدی مرحوم، مرتبہ جناب ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری، متوسط تقطیع، کاغذ اور کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۱۸۰، مجلد مع گرد پوش، قیمت درج نہیں، پتہ: مکتبہ رشیدیہ، قاری منزل، پاکستان چوک، کراچی پاکستان۔

مولانا غلام رسول مہر بلند پایہ صحافی اور کثیر التصانیف تھے، ان کی تصنیفات کی تعداد ستر کے قریب بتائی جاتی ہے، تحقیق و تنقید اور ادب و تاریخ میں دسترس کے علاوہ وہ کامیاب مترجم و شارح بھی تھے، سیرت سید احمد شہید اور غالب و اقبال پر ان کی کتابیں وقیع قرار پائیں، روزنامہ زمیندار اور پھر انقلاب کے ذریعہ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے سیاسی شعور کی بیداری اور قیام پاکستان کی سیاست میں سرگرم حصہ لیا، زیر نظر کتاب کے لائق مصنف کے خیال میں پاکستان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں مولانا مہر کا ہی دماغ کارفرما تھا، جنھوں نے ایک سیاسی فارمولے کے ذریعہ خیال کو عمل میں منتقل کیا، یہ کتاب دراصل اسی ۱۹۴۰ء کے فارمولے معروف بہ پاکستان اسکیم کی ایک چشم دید تاریخ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اسکیم کی تسوید و تبییض میں مولانا مہر اور پیر راشدی دونوں کی مساعی شامل تھیں، بعد میں قرارداد لاہور کے ذریعہ جس پاکستان کا تصور پیش کیا گیا اس کا المیہ یہ ہے کہ اس میں اس پاکستان اسکیم کی اصل روح سے انحراف کیا گیا، پاکستان کی تاریخ کے اس اہم باب کے متعلق یہ کتاب ایک دستاویزی حیثیت رکھتی ہے جس سے بعض مخفی گوشے سامنے آجاتے ہیں، مصنف راشدی مرحوم نے

اپنے ممدوح مولانا مہر سے تعلق کی روداد چند مضامین میں بیان کی تھی، ان تمام تحریروں کو جمع کرکے اور مولانا مہر اور پیر راشدی کے سوانح اور چند ضمیموں اور اضافوں کے ساتھ شایع کرکے فاضل مولف نے تاریخ پاکستان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک مفید اور کارآمد تحفہ مہیا کر دیا ہے۔

مجھے یاد آنے والے

از جناب مولانا محمد ثناء اللہ عمری، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و کتابت و طباعت، صفحات ۲۲۹، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: محمد ثناء اللہ عمری، ۲۱-۵۵۳/۲۴، فرنچ پیٹ، مچھلی پٹنم اے۔ پی ۵۲۱۰۰۲۔

مصنف ایک اچھے اہل قلم ہیں، جنوبی ہند کے باشندے ہونے کے باوجود لکھنؤ کی زبان و اسلوب پر ان کا ملکہ حیرت انگیز ہے، مولانا دریابادی کے طرز نگارش کے وہ شیدائی ہیں جس کا اثر ان کی تحریروں میں بڑا خوشگوار ہوتا ہے، شخصیت کا صحیح تجزیہ، اوصاف و محاسن کا بے کم و کاست بیان اور اس پر مستزاد ادبی چاشنی جس میں رعایت لفظی کو خاص دخل ہے، فاضل مولف علمی و مذہبی موضوعات پر داد تحقیق دیتے رہے ہیں، چند ماہ پہلے امثال القرآن پر ان کی ایک مفید علمی کتاب پر ان صفحات میں تبصرہ بھی آچکا ہے، اب زیر نظر مجموعۂ مضامین میں انہوں نے علماء و مصلحین، رہنمایان قوم اور اساتذہ و احباب کا خاکہ پیش کیا ہے اور ان پر ماتم کیا ہے۔ ان میں مولانا قاری محمد طیب، مولانا ابو اللیث اصلاحی، مولانا ابو الجلال ندوی، مولانا محمد عمران خاں بھوپالی ندوی، سید صباح الدین عبد الرحمن اور ماہر القادری جیسے مشاہیر کے علاوہ نسبتاً غیر معروف اور بعض گمنام شخصیتیں بھی ہیں جن کے متعلق لکھا گیا ہے کہ عام طور پر ملک کے جن گوشوں کی بابت پڑھے لکھے لوگوں کو بھی سان گمان نہیں وہاں بھی دین حق کے کیسے کیسے خادم ہوئے ہیں، ان کی شخصیت کے خط و خال

میں عظمت بھی ہے اور سامان بصیرت بھی۔ مولانا سید عبدالحیٔ بخاری کے خاندان کے متعلق لکھا کہ "... اس خاندان کی ایک شاخ مدراس پہنچ گئی یہ خاندان سادات کا تو تھا ہی، بخارا کی نسبت بھی رکھتا تھا، سونے پر سہاگہ ــ یار ما ایں دارد و آں نیز ہم"۔ مولانا ابواللیث اصلاحی کے ذکر میں لکھا کہ "مولانا جماعت کے سب سے کمسن امیر تھے، ۱۹۴۷ء میں امیر بنے تو ان کی عمر ۳۶ برس تھی ... آزاد ہندوستان کے بدلتے اور بگڑتے ہوئے حالات میں انہوں نے اپنی جماعت کا شیرازہ متحد رکھا یہ کام بھی بجائے خود ایک کارنامے سے کم نہیں"۔ مولانا ابوالجلال ندوی کا سراپا بیان کرنے کے بعد یہ جملہ بھی ملاحظہ ہو "... جلال صرف جزو نام، سراپا تمام تر جمال ہی جمال"۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن کے متعلق لکھا کہ "... انہوں نے تاریخ جیسے خشک موضوع کو ادبیت سے ہم آہنگ کیا بالفاظ دیگر تاریخ کو ادبی تعبیر عطا کی"۔ اس سے اور دیگر اور مضامین سے فاضل مولف کی دارالمصنفین سے محبت و تعلق کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

لمیات نظیرک فی نظر

از جناب عنبر بہرائچی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ اور کتابت و طباعت، دیدہ زیب و معنی خیز گرد پوش، مجلد، صفحات ۲۱۲، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲ اور ملک کے دوسرے مشہور مکتبے۔

اردو ادب کا ایک بڑا سرمایہ نعتیہ شاعری بھی ہے، ذات نبوی سے عقیدت اور اسوۂ نبوی کی کشش و جاذبیت نے اردو شعراء کو سو سو طرح کے مضمون باندھنے کی سعادت بخشی، زیر نظر مجموعہ بھی اس مبارک سلسلہ کی دلکش کڑی ہے، حفیظ جالندھری کے مشہور شاہنامۂ اسلام کے طرز پر اسے ایک کامیاب نعتیہ رزمیہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، خود شاعر خوش نوا نے اپنے دیباچہ میں واضح کیا ہے کہ اس طویل نظم کی ظاہری ہیئت میں

گو قصیدہ اور غزل کے عناصر کی آمیزش ہے لیکن اس کے اجزائے ترکیبی کے لیے سنسکرت کے رزمیہ سے مدد لی گئی ہے، انہوں نے رزمیہ کے موضوع پر سیر حاصل بحث کے بعد لکھا کہ ان کے شعری رجحانات و منتخبات میں رزمیہ کو خاص ترجیح حاصل ہے کیونکہ رزمیہ میں مختلف اشیاء، واقعات، جذبات و محسوسات کے وسیع اظہار کے مواقع رہتے ہیں، اس سے پہلے ان کا ایک رزمیہ مہابھشکرمن بھی شایع ہو کر داد و تحسین حاصل کر چکا ہے، اب زیر نظر مجموعہ میں انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے فتح مکہ تک کے واقعات کو شعری پیکر میں اتارا ہے، اس مجموعہ کو محض مذہبی کتاب کی حیثیت سے دیکھے جانے کی صفائی پیش کرتے ہوئے انہوں نے لکھا کہ ذات اقدس ؐ نے صرف مذہبی اصول ہی عطا نہیں کیے بلکہ حیات انسانی کے لیے ایک مکمل اور ہمہ جہت منشور بھی عطا کیا جس کی اہمیت تاابد برقرار رہے گی، اس پاکیزہ جذبہ نے جو توانائی، سرور اور کیف و وجدان بخشا وہ ہر شعر سے ظاہر ہے، عربی فارسی اور ہندی کے خوبصورت الفاظ کو جس مہارت سے انہوں نے اشعار کی لڑیوں میں پرویا ہے اس سے پورے رزمیہ میں نغمگی اور فرحت بخش موسیقی کی فضا چھا گئی ہے، پہلے شعر سے ہی یہ ماحول بنتا نظر آتا ہے:

مشام جاں میں بس گئی ہیں موگرے کی ڈالیاں　　حد نگاہ تک شمیم بیز سبز وادیاں

آنحضور ؐ کی مدینہ تشریف آوری کا ایک منظر ملاحظہ ہو:

نفس نفس عقیدتیں، قدم قدم محبتیں　　بہار پوش، جاذب نظر سبھی سجے دھجے
خرام میں خروش ہے ہر ایک دل میں جوش ہے　　امڈ پڑے حبیب ؐ کل کی سمت جھومتے ہوئے
ہجوم در ہجوم طفل و زن ضعیف و نوجواں　　ہیں بے قرار حسن مصطفیٰ کی دید کے لیے
یہی تو ہیں وہ محسن عظیم جن کی چھاؤں میں　　تمام اختلاف باہمی دھواں دھواں ہوئے

یہ شعری سوغات شایان شان پذیرائی کے لائق ہے، ظاہری اعتبار سے بھی کتاب حسین و دیدہ زیب ہے، ایسی خوبصورت کتابیں شاذ ہی شایع ہوتی ہیں۔

حدیث دل

از جناب سید نور الدین انور بھوپالی، متوسط تقطیع، کاغذ اور کتابت و طباعت مناسب، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۲۰، قیمت پچاس روپے، پتہ: بھوپال بک ہاؤس، بدھوارہ، بھوپال ایم۔ پی ۴۶۲۰۰۱۔

جناب انور بھوپالی علامہ سیماب اکبر آبادی کے شاگرد ہیں اور دار الاقبال بھوپال کے بزرگ ترین شاعر ان کے کلام میں خیالات کی پختگی، فن پر قدرت اور طرز قدیم کا تتبع صاف نظر آتا ہے، زیر نظر مجموعہ میں نعت و منقبت اور نظمیں بھی ہیں، لیکن غالب حصہ غزلوں کا ہے اس کی وجہ خود شاعر کے الفاظ میں شہر غزل بھوپال کی فضا اور پھر شاعر کی افتاد طبع ہے، نعت و غزل کے صرف دو شعر ملاحظہ ہوں ان سے پورے مجموعہ کے رنگ و آہنگ کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔

پھر جوش میں ہے جذبۂ ایمان محمدؐ اللہ بچائے نظر کفر سے دل کو

بحسرت جانب اوج ثریا دیکھنے والے تو اپنے منصب عالی سے بھی اے کاش واقف ہو

باذوق قارئین کے لیے یہ مجموعہ باعث لطف و مسرت ہے۔

ارمغان حرم، جمال حرم، سوغات رخصتی

از جناب مولانا عبد المعبود نادان بستوی، عمدہ کاغذ و طباعت، قیمت بالترتیب ۵، ۵ اور ۷، روپے، پتہ: سہیل بک ڈپو، سمریاداں بازار، بستی، یوپی۔

نادان بستوی صاحب کی شاعری لطافت و رعنائی اور حرارت ایمانی سے معمور ہے، تینوں مختصر شعری مجموعے دل پر اثر کرتے ہیں، سوغات رخصتی میں دلہنوں کے لیے مفید اور دلنشیں نصیحتیں ہیں۔

ع۔ص۔